رجسٹرڈ نمبر ایل ۸۲۵

قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

دین کی نصرت کیلئے اک آسماں پر شور ہے | عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا | اب گیا وقت خزاں آئے ہیں پھل لانیکے دن

دنیا میں ایک نبی آیا پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔

(الہام حضرت مسیح موعود)

الفضل

مضامین بنام ایڈیٹر

کاروباری امور کے متعلق خط و کتابت بنام مینیجر ہو

فہرست مضامین

ایڈیٹر:- غلام نبی ۔ اسسٹنٹ :- مہر محمد خان

جلد ۷ ۔ ۱۰ جون سنہ ۱۹۲۰ء ۔ پنجشنبہ ۔ مطابق ۲۲ رمضان المبارک سنہ ۱۳۳۸ھ ۔ نمبر ۹۴

مدینۃ المسیح

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی صحت اچھی ہے۔

مسٹر محمد احمد ساگر چند یہاں تشریف لائے ہیں۔ اور ان کا ارادہ کچھ یہاں ٹھیرنے کا ہے۔ ان ایام میں وہ شوقین اصحاب کو فرنچ زبان سکھائینگے۔ اس کے متعلق ان کا مفصل اعلان آئندہ پرچہ میں شایع کیا جائیگا۔

بروز منگل ۲۰۔ رمضان المبارک حسب ذیل اصحاب مسجد اقصیٰ میں اعتکاف بیٹھے۔ (۱) بابو احمد اللہ صاحب (۲) صوفی محمد یعقوب خان صاحب (۳) ماسٹر نور الٰہی صاحب (۴) میاں لال دین صاحب (۵) مولوی نظام الدین صاحب (۶) مولوی شہزادہ صاحب (۷) مولوی عطا محمد صاحب (۸) محمد اسمٰعیل صاحب۔

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کا تازہ ارشاد
اخلاقی تربیت کی ضرورت

۸۔ جون۔ عصر کیوقت حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے درس قرآن کریم سے قبل حسب ذیل تقریر ارشاد فرمائی:۔

درس قرآن شروع کرنیسے پہلے میں ایک ضروری بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ گو اس کی طرف پہلے بھی توجہ دلائی گئی ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں۔ ابھی تک پورے طور سے اس پر عمل نہیں کیا گیا۔ اور ضرورت ہے کہ میں پھر اس کے متعلق کچھ کہوں۔

مذہب کے معنی لوگ اپنے اپنے طور پر کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ بعض تو یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے اندر جو خاص طرز کی عبادات بیان کی گئی ہیں اگر ان کو کوئی شخص ادا کر دیتا ہے۔ تو وہ اس مذہب پر عامل سمجھا جاتا ہے۔ گویا مذہب کی بیان کردہ عبادات کو بجا لانے کے بعد خواہ وہ کچھ کرے۔ اسمیں کوئی حرج اور نقصان نہیں۔ بعض کے نزدیک وہ تمدن اور معاشرت جس کی پیرو اس مذہب کی طرف منسوب ہونیوالی جماعت ہو۔ وہی مذہب ہوتا ہے۔ ان عبادات کو کوئی ادا کرے یا نہ کرے جن کا حکم وہ مذہب دیتا ہے۔ اگر وہ تمدن اختیار کرلے تو سمجھ لیا جائیگا کہ اس نے مذہب کی پابندی کر لی۔ پہلی مثال تو ایسے مسلمانوں کی ہے۔ کہ بعض لوگ خیال کر لیتے ہیں کہ اگر ایک شخص خاص طرز کی نماز پڑھتا ہے رمضان کے روزے رکھتا ہے۔ سال پر زکوٰۃ دیتا ہے۔ حج کرتا ہے تو اسکے مسلمان ہونے میں کوئی کمی نہیں رہ جاتی۔ دوسری مثال ان لوگوں کی ہے۔ جو کہتے ہیں۔ کوئی ان عبادتوں کو بجا لائے یا نہ بجا لائے اگر عام مسلمانوں کی طرز رہائش کی طرز رکھتا ہے۔ مثلاً ایسا لباس پہنتا ہے جیسا مسلمان پہنتے ہیں۔ شادی بیاہ کے تعلقات مسلمانوں سے رکھتا ہے تو وہ مسلمان ہے۔ اور اس کے مسلمان ہونے کے لئے یہی کافی ہے پھر بعض مذہب کے معنی ایک خاص قسم کی اخلاقی تعلیم سمجھتے ہیں بعض

بعض رسُومات کو مذہب میں داخل کر کے انہی کو مذہب قرار دے لیتے ہیں وہ نماز پڑھیں نہ پڑھیں۔ روزہ رکھیں نہ رکھیں۔ ایک خاص قسم کی تسبیح جو کسی پیر صاحب نے انہیں بتائی ہو۔ وہ ضرور پڑھینگے۔ اور ان کے نزدیک اسی کے پڑھنے سے اسلام کے سارے احکام پورے ہو جائینگے لیکن اصل بات جو ہر ایک مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنیوالے کو یاد رکھنی چاہیئے۔ یہ ہے۔ کہ مذہب نہ ان عبادات کا نام ہے۔ جو انسان بجا لاتا ہے۔ نہ ان عقائد کا نام ہے۔ جو انسان رکھتا ہے نہ کسی خاص تسبیح کا نام ہے۔ جو کوئی شخص پڑھتا ہے۔ نہ بعض اخلاق یا تمدن کی باتوں کا نام ہے۔ جن کا انسان پابند ہوتا ہے۔ بلکہ مذہب ان تمام باتوں اور ہدایتوں پر کاربند ہونے کا نام ہے۔ جن کو وہ پیش کرتا ہے۔ اگر مذہب عبادات کا حکم دیتا ہے۔ عقائد سکھاتا ہے اخلاقی تعلیم دیتا ہے۔ تمدنی تربیت کرتا ہے۔ معاشرتی احکام دیتا ہے۔ تو یہ سب باتیں اس میں شامل ہیں۔ اور ان سب پر عمل کرنا مذہب پر کاربند ہونا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ان میں سے کسی حصہ کو چھوڑتا ہے۔ تو اس کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے ایک شخص مکان بنائے۔ لیکن اس کی ایک دیوار نہ بنائے یا اس پر چھت نہ ڈالے۔ ایسے شخص کا مال و اسباب اسوقت تک محفوظ نہیں رہ سکتا جب تک چاروں طرف دیواریں نہ ہوں۔ اور اوپر چھت نہ ہو اور جب تک مکان میں کافی روشندان نہ ہوں یا پانی کے نکاس کا رستہ نہ ہو اس وقت تک صحت کے لحاظ سے قابل رہایش نہیں ہو سکتا پس جس طرح ایک مکان سے پورا فائدہ اٹھانے کے لئے ان سب باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ جن سے مکان مکمل ہوتا ہے اسی طرح ان تمام پہلوؤں کو پورا کرنا مذہب پر حاوی ہوتا ہے۔ جن کو وہ بیان کرتا ہے۔

میں نے بارہا اپنی جماعت کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اعلیٰ اخلاق مذہب کا بہت بڑا حصہ ہیں۔ اگر کوئی شخص اس کثرت سے نمازیں پڑھتا ہے۔ کہ اسکے ماتھے پر نشان پڑ جاتا ہے۔ لیکن اس کے اخلاق اچھے نہیں ہیں۔ تو وہ قطعاً اس بات کا مستحق نہیں ہے کہ پکا مسلمان کہلاسکے۔ اگر وہ نماز سے کچھ وقت بچا کر اپنے اخلاق کی اصلاح میں لگاتا۔ تو یہ اس کے لئے بہت بہتر ہوتا۔ چار یا آٹھ یا بارہ نفل پڑھنے سے۔ کیونکہ جب تک اخلاق کی درستی نہ ہو۔ اسوقت کوئی شخص اپنے مذہب میں کامل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اخلاق کی اصلاح وہ پہلا زینہ ہے۔ جو انسان کو انسان بناتا ہے۔ اور تم اسوقت تک باخدا انسان نہیں بن سکتے۔ جب تک پہلے انسان بنو۔ جب کوئی شخص انسان بنتا ہے۔ تو پھر وہ باخدا انسان بن سکتا ہے۔ اور انسان وہی ہے۔ جسکے اخلاق اچھے ہوں ایک گھوڑے۔ گدھے۔ بکری اور انسان میں کیا فرق ہے اخلاق کا ہی ہے۔ جنہیں اخلاق نہیں۔ وہ انسان نہیں۔ اور جب کوئی انسان ہی نہیں۔ تو باخدا انسان کس طرح بن سکتا ہے۔ قرآن کہتا ہے بعض ایسے انسان ہوتے ہیں۔ جو حیوان ہوتے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گذرے۔ ان کے لئے قرآن نہیں آیا۔ قرآن انہی کے لئے آیا ہے۔ جو انسان ہیں۔ یعنی اپنے اندر وہ اخلاق رکھتے ہیں۔ جو انسان اور حیوان میں مابہ الامتیاز ہیں۔ اور پھر ان میں قرآن کے ذریعہ زیادتی ہوتی ہے۔ اور ایسے انسان قرآن سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ پس انسان بننے کے لئے اخلاق کی اصلاح پہلی سیڑھی ہے۔ ان کے بغیر کوئی انسان انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ مگر میں دیکھتا ہوں۔ ہماری جماعت کے بعض لوگ اخلاق کو مدنظر نہیں رکھتے۔ ان کی گفتگو بعض دفعہ نہایت وحشیانہ ہوتی ہے۔ اس قسم کی باتوں سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ انسان اخلاص اور محبت کے ساتھ جب تک اپنے نفس کی تربیت نہیں کرتا۔ کامل نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے عبادات کے ساتھ ظاہری احکام بھی رکھے ہیں۔ جو انسان کی تربیت کیلئے ہیں۔ اسی طرح انسان کی اخلاقی تربیت ہے۔ جب انسان اپنے نفس کو مجبور کرکے کام کرتا ہے۔ تو اسے مشق ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر وہ ایسا نہ کرے۔ اور اسباب کا خیال نہ رکھے۔ کہ کب اور کس وقت اسے اپنے نفس پر جبر کرکے صبر دکھانا چاہیئے۔ تو وہ مکمل انسان نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت صبر کی بنیاد اخلاق حسنہ پر ہے۔ عام طور پر لوگ سمجھتے نہیں کہ صبر کا کیا فائدہ ہے۔ اور اس کی کیا غرض ہے۔ اگر کسی کا عزیز مرتا ہے۔ تو وہ کیوں نہ روئے چلائے اور کیوں صبر کرے۔ دراصل بات یہ ہے کہ جن باتوں پر انسان صبر کرتا ہے وہ بذات خود اتنی اہم نہیں ہوتیں۔ جیسا کہ وہ دوسرے اخلاق۔ جنپر صبر کا اثر پڑتا ہے۔ صبر تو کسی رنج اور تکلیف کے واقعہ پر کیا جاتا ہے لیکن اسکی وجہ سے دوسرے اخلاق خود بخود درست ہو جاتے ہیں اور جب کسی بات کی مشق ہو جائے۔ تو وہ اپنے آپ انسان سے ہونے لگتی ہے۔ تو صبر کے ذریعہ انسان کو اس بات کا عادی بنایا جاتا ہے کہ وہ اپنے جوش کو دبائے۔ اور وہ انسان جو صبر کا عادی ہوتا ہے اسے اگر کسی ناجائز موقعہ پر جوش بھی آتا ہے۔ تو اسی عادت کیوجہ سے رک جاتا ہے۔ اور اس بات کا اسے خیال بھی نہیں ہوتا۔ کہ مذہب کے حکم کی وجہ سے میں اس سے رکا ہوں۔ تو انسان کی تربیت نہایت ضروری ہے۔ اسی کے ذریعہ انسان کے اخلاق اعلیٰ بن سکتے ہیں ؎

انہی ایام میں جبکہ زبان کو لغو باتوں سے بند رکھنے کا خاص طور پر حکم ہے ایک شخص نے سوال اٹھایا کہ نظم میں اللہ اکبر کی بجائے تکبیر کیوں کہی جاتی ہے اور میری موجودگی میں یہ بحث اٹھائی گئی۔ حالانکہ جبکہ خلیفہ موجود تھا۔ تو اس سے پوچھنا چاہیئے تھا۔ ورنہ اس کا کام ہی کیا ہے۔ پھر اسے سوچنا چاہیئے تھا۔ اگر یہ کوئی ایسی ہی بری اور ناجائز بات ہوتی۔ جس سے مذہب میں کوئی نقص واقع ہوتا۔ تو میرا فرض تھا کہ میں اسے روکتا۔ مگر ہو سکتا ہے کہ کبھی ایک بات کی طرف توجہ نہ ہو۔ لیکن اسکا فرض تھا کہ مجھے آگاہ کرتا۔ اور مجھ سے اسکے متعلق پوچھتا۔ یہ تو اس کی طرف سے غلطی ہوئی کہ اس نے بجائے مجھ سے دریافت کرنے کے دوسرے کو مخاطب کیا۔ لیکن دوسرے نے بجائے اس کے کہ اس کا درست جواب یہ ہوتا۔ کہ اگر یہ بات نادرست ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ خلیفہ کے سامنے ہو رہی ہے اور وہ اسے نہیں روکتا یا یہ کہتا کہ خلیفہ کے سامنے پیش کرو۔ جو فیصلہ ہوگا۔ اسپر عمل کرینگے۔ اس نے کہا کہ مسیح موعود کیوقت ایسا ہی ہوتا تھا۔ اسوقت تم سوئے ہوئے تھے۔ گویا ایک نے اگر بد اخلاقی کی۔ تو دوسرے نے اس سے بڑھکر بد اخلاقی کا ثبوت دیا۔ اور اگر پہلا دوسری بار کہتا تو شاید اسے یہ جواب دیا جاتا۔ کہ اسوقت تو مرا ہوا تھا۔ اور تیسری دفعہ مارنے تک نوبت پہنچ جاتی۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ بعض لوگوں کے اخلاق میں ابھی اصلاح کی بہت ضرورت ہے۔ اور وہ اخلاقی تربیت کے سخت محتاج ہیں۔ ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ان کا یہ طرز عمل مومنانہ شان کی تکمیل کیلئے نہایت مضر ہے۔ اور میں بہت دفعہ بتا چکا ہوں کہ جب تک اپنے اخلاق کی اصلاح نہ کی جائیگی اسوقت تک خدا انہیں مل سکیگا۔ بہت لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ خدا انہیں ملے۔ لیکن وہ اپنے اخلاق کی اصلاح نہیں کرتے ہم کہتے ہیں تم پہلے انسان بنو۔ اور پھر باخدا انسان بننے کی خواہش کرو جب تک تم انسان ہی نہیں۔ خدا کو کس طرح پا سکتے ہو۔

پس تم لوگ اپنے اخلاق کی درستی اور اصلاح کی طرف خاص توجہ کرو اور ایسی باتیں منہوں سے نہ نکالو۔ جو تفرقہ۔ جدائی۔ دشمنی۔ نقار پیدا کرنے والی ہوں۔ ترش کلامی کو چھوڑ دو۔ کسی کی تحقیر مت کرو اور یاد رکھو یہ یونہی نہیں چھٹ جائیگی۔ تمہارے ان کو برا سمجھنے سے نہیں چھٹ جائیگی۔ جب تک تم ان کے چھوڑنے کی کوشش نہ کروگے۔ اس کیلئے تمہیں خاص ریاضت کرنی چاہیئے۔ اور اپنے نفس پر قابو رکھنے کا اپنے آپکو مشاق بنانا چاہیئے۔ اسکے لئے تمہیں تربیت حاصل کرنی چاہیئے کیونکہ کوئی کام بغیر استاد کی تربیت کے نہیں آسکتا۔ اور جب تربیت ہو جائے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الفضل

قادیان دارالامان - ۱۰ - جون سنہ ۱۹۲۰ء

کیا ہی شانِ مولویت ہے

مولوی ثناء اللہ سے خطاب

رسالہ ریویو ماہ مارچ سنہ ۱۹۲۰ء میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کی ایک تقریر چونتیس صفحات پر شائع ہوئی۔ جس میں حضور نے اسلامی عقائد صحیحہ کے پرکھنے کا یہ معیار قرار دیتے ہوئے کہ وہی عقیدہ درست ہو سکتا ہے جس سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان اور عظمت کا اظہار ہو۔ اور جس عقیدہ سے آپ کی ہتک ہوتی ہو۔ وہ ہرگز درست نہیں ہو سکتا۔ نہایت مدلل طور پر ثابت کیا کہ چونکہ غیر احمدیوں کے وہ عقائد جو ہمارے مقابلہ میں رکھتے ہیں۔ رسول کریم ؐ کی ہتک کرنے والے اور آپ کی شان کو بٹہ لگانے والے ہیں۔ اس لئے ہرگز صحیح نہیں ہیں۔ اور ہمارے عقائد چونکہ ایسے ہیں۔ جن سے رسول کریم کی شان اعلیٰ اور ارفع ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے وہ درست اور صحیح ہیں ۔

مخالفین کے عقائد کا باطل ہونا اس تقریر میں ایسے زبردست طریق سے ثابت کیا گیا کہ اور تو اور مولوی ثناء اللہ جو ہمارے جواب میں نامعقول سے نامعقول بات پیش کرتے ہوئے بھی نہیں شرماتے۔ اس چونتیس صفحہ کی تقریر کے کسی ایک جملہ اور ایک فقرہ کا بھی جواب نہ لکھ سکے۔ ممکن تھا۔ وہ کہہ دیتے کہ یہ تقریر ان کی نظر سے نہیں گذری۔ لیکن ان کا اس تقریر کی کتابت کی ایک نہایت معمولی غلطی پر شور مچانا جہاں ان کی کم ظرفی کو ظاہر کرتا ہے۔ وہاں یہ بھی بتاتا ہے۔ کہ تقریر کے اصل مضمون اور مدعا کے متعلق کچھ نہ لکھنا لاعلمی کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ اسکے جواب میں لکھنے کی طاقت اور ہمت ہی نہیں ۔

اس ساری تقریر میں سے جو شروع سے لیکر اخیر تک غیر احمدیوں کے عقائد کے خلاف اور احمدیت کی تائید میں ہے۔ مولوی ثناء اللہ کا صرف ایک لفظی غلطی (جو یہ ہے کہ جرنیل کی بجائے کرنیل کا لفظ لکھا گیا) کو خامہ فرسائی کیلئے منتخب کرنا ان کی بدمذاقی کے ساتھ ہی ان کی بددیانتی اور دھوکہ دہی بھی ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ مذکورہ بالا غلطی کاتب تقریر کی طرف منسوب ہونی چاہیئے نہ کہ تقریر کرنیوالے کی طرف۔ لیکن باوجود اس کے کہ مضمون کے شروع میں صاف الفاظ میں لکھا ہے۔ "حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی ایک تازہ تقریر" اور مضمون تقریر سے بھی ظاہر ہے۔ کہ زبانی تقریر کو قلم بند کیا گیا ہے۔ مولوی صاحب نے اس کو حضرت خلیفۃ المسیح کا لکھا ہوا مضمون قرار دیا ہے۔ اور یہ نہیں ظاہر ہونے دیا کہ زبانی تقریر ہے۔ چنانچہ تقریر کے وہ الفاظ جنہیں غلطی واقع ہوئی ہے۔ درج کرنے سے قبل یہ الفاظ لکھے ہیں۔

"خلیفہ قادیان لکھتا ہے"

جو بالکل غلط ہے۔ اور محض دھوکہ دینے کے لئے مولوی ثناء اللہ نے اس بددیانتی کا ارتکاب کیا ہے۔ تاکہ لوگ سمجھیں۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے اپنے قلم سے مضمون لکھتے ہوئے یہ غلطی کی ۔

کسی انسان سے غلطی ہو جانا کوئی اچنبھا نہیں۔ کون ہے جو دعویٰ کر سکے۔ کہ اس سے کبھی کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔ اور غلطی کی وجہ سے خواہ وہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ کسی کے تقویٰ و طہارت۔ دینداری اور صداقت شعاری پر کوئی حرف نہیں آتا۔ لیکن بددیانتی اور دھوکہ دہی خواہ کسی چھوٹے سے چھوٹے معاملہ کے متعلق ہی ہو۔ انسان کی مذہبی حالت کا پردہ فاش کر دیتی ہے۔ اور اسے شرافت کے درجہ سے نیچے گرا دیتی ہے۔ اب مولوی ثناء اللہ صاحب ہی فرما دیں۔ ان کا دھوکہ دینے کے لئے تقریر کو تحریر کی حیثیت میں پیش کرنا مذہبی اور اخلاقی لحاظ سے بڑا جرم ہے یا کاتب تقریر کا غلطی سے جرنیل کی بجائے کرنیل لکھنا یا بفرض محال حضرت خلیفۃ المسیح کا اپنی تقریر میں اس طرح کہنا ۔

کیسا عبرت کا مقام ہے کہ ایک اسلام کا مدعی "شیر اسلام" کا دعویٰ کرنیوالا۔ مسلمانوں کی مذہبی راہ نمائی کرنے کا دعویدار علوم دین سے واقف ہونے کا ادعا کرنیوالا دوسرے کی معمولی سی غلطی کو تو ناقابل عفو قرار دیتا ہے۔ لیکن خود دھوکہ جیسے شرمناک گناہ کا مرتکب ہونا معمولی بات سمجھتا ہے۔

اول تو جیسا کہ ہم نے بتایا ہے۔ وہ غلطی حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی طرف منسوب ہی نہیں کی جا سکتی۔ اور وہ لوگ جنہیں کبھی حضور سے ملاقات کا موقع ملا یا جنہوں نے آپ کے مضامین پڑھے اور تقریریں سنیں۔ وہ آپ کے وسیع معلومات سے واقف ہوتے ہوئے سمجھ سکتے ہیں۔ کہ آپ کے متعلق یہ کہنا کہ آپ کو جرنیل اور کرنیل کا فرق معلوم نہیں۔ کسقدر بے ہودہ اور لغو بات ہے۔ لیکن اگر فرض بھی کر لیا جائے۔ کہ آپ نے جرنیل کی بجائے کرنیل کہہ دیا۔ تو دیکھنا یہ چاہیئے۔ کہ کیا یہ کوئی دینی مسئلہ ہے۔ جسکے بیان کرنے میں ایسے شخص کا غلطی کرنا جو ایک جماعت کا دینی راہنما ہے۔ قابل گرفت ہے۔ فوجی اصطلاحیں ہیں۔ جن کا جاننا ایک مذہبی لیڈر کے فرائض میں سے نہیں۔ پس اگر بفرض محال ان کے استعمال میں کوئی غلطی بھی ہو جائے۔ تو اس سے اس کی مذہبی راہنمائی پر حرف نہیں آتا۔ مولوی ثناء اللہ کو یاد رکھنا چاہیئے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کا دعویٰ کوئی فوجی افسر ہونے کا نہیں۔ بلکہ دینی راہنما ہونے کا ہے۔ اس لئے عقلمند اور سمجھدار اصحاب تو یہی دیکھیں گے۔ کہ آپ دینی امور کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ اور یہی دیکھنا بھی چاہیئے

مشہور ہے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ بادشاہ نے اُسے بلایا۔ اور ثبوت مانگا۔ اس نے کہا جو ثبوت آپ کسی نبی کے سچے ہونے کا بتائیں۔ وہی میں پیش کر دوں۔ بادشاہ نے وزیر کی طرف دیکھا اور کہا کہ کوئی ثبوت طلب کرو۔ وزیر نے کہا۔ میں ابھی فیصلہ کئے دیتا ہوں کہ یہ نبی ہے یا جھوٹا۔ اور ٹوٹا ہوا تالا لا کر اس کے سامنے رکھ دیا اور کہا کہ اگر سچے نبی ہو۔ تو اس کو درست کر دو۔ اس نے

[illegible] میں سے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے ۔ لوہار ہونے کا نہیں یہ کبھی لوہار کے پاس لیجاؤ ۔

اس وقت تک ہم اسے ایک قصہ ہی سمجھتے تھے ۔ لیکن مولوی [ثناء] اللہ نے یقین دلا دیا ہے ۔ کہ فی الواقع ایسا ہونا ناممکن [نہ]یں ۔ کیونکہ اس وزیر کا نمونہ مولوی صاحب موجود ہیں ۔ جو [ا]یک مذہبی لیڈر اور راہنما کی حیثیت سے واقعی کا نمونہ "یہ پیش کرتے ہیں کہ [انہوں] نے جرنیل کی بجائے کرنیل لکھدیا ۔ حالانکہ یہ بھی غلط ہو ۔

اگر مولوی ثناء اللہ میں ہمت تھی تو چاہیئے تھا کہ تقریر [کے] اصل مضمون کا جواب لکھتے اور ثابت کرتے ۔ کہ غیر احمدیوں [کے] بین عقاید کو حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے رسول کریم صلے اللہ [علیہ] وسلم کی ہتک کرنیوالے قرار دیا ہے ۔ وہ ہتک کرنیوالے [ن]ہیں ۔ بلکہ ان سے رسول کریم کی شان کا اظہار ہوتا ہے ۔ [بر خ]لاف اس کے احمدیوں کے عقائد رسول کریم ؐ کی ہتک [کرنی]والے ہیں ۔ لیکن تعجب ہے ۔ تقریر کو بغیر ڈکار لئے [اس] طرح ہضم کر لیا کہ گویا اس سے انھیں کامل اتفاق ہے [او]ر ایک مثال کی لفظی غلطی کر دیا جس سے اصل مضمون میں [ذرہ] بھر بھی فرق نہیں پڑتا ۔ اپنی مولویت دکھانا شروع کردی ہے سمجھدار اصحاب اس سے سمجھ سکتے ہیں کہ اگر مولویصاحب [کو] کچھ بھی ہمت ہوتی ۔ تو وہ امام جماعت احمدیہ کی تقریر پر [تنقی]د کرتے ۔ اور اصل دلائل کو رد کر کے دکھاتے ۔ نہ کہ [صرف] ایک لفظی غلطی کو اپنی قابلیت اور علمیت کے اظہار کے [لئ]ے منتخب کرتے ۔

وہ اصحاب جنہیں کسی اخبار یا رسالہ میں کام کرنے کا تجربہ [ہے] وہ آسانی سمجھ سکتے ہیں ۔ کہ بعض اوقات باوجود اپنی [پور]ے احتیاط کرنے کے ایسی غلطی ہو جاتی ہے ۔ جسکے [لئ]ے عذر پیش کرنا دوسروں کے نزدیک عذر گناہ بدتر [از گناہ] سمجھا جاتا ہے ۔ حالانکہ جس کی طرف وہ غلطی منسوب ہے ۔ وہ اپنی جگہ اس سے بالکل بری ہوتا ہے پس [کس]ی اخبار نویس کا اس قسم کی غلطی کو اپنے مخالف کا [غلطی] قرار دے کر عوام میں پیش کرنا کوئی پسندیدہ [فعل] نہیں ہے ۔ اور اس صورت میں تو یہ حد درجہ کی بدمذاقی [اور] بیہودہ حرکت ہے ۔ کہ دھوکہ اور شرارت سے غلطی کو اس کی طرف منسوب کیا جائے ۔ جس کا دامن اس سے بالکل پاک ہو ۔ مولوی ثناء اللہ ایک اخبار نویس ہو کر افسوس ایسی شرمناک حرکت کے مرتکب ہوئے ہیں ۔

اس موقعہ پر ہم یہ دکھانے کے لئے کہ مولوی ثناء اللہ جو دوسرے کی معمولی سی غلطی کو دھوکہ دہی سے پیش کرنے میں اپنی علمیت اور قابلیت سمجھتے ہیں ۔ ان کا اپنا دامن غلطیوں سے کہاں تک پاک ہے ۔ ایک دو تازہ مثالیں پیش کرتے ہیں ۔ اور وہ بھی ان کے اخبار کے دوسرے مضامین کو چھوڑ کر صرف ان مضامین سے جو ہمارے متعلق لکھے گئے ہیں ۔

۱۴ ۔ مئی کے اہلحدیث کے صفحہ ۴ پر لکھتے ہیں :۔

"قادیانی اصطلاح ہے ۔ کہ جس الہامی کی ساری یا بہت سی پیشگوئیاں جھوٹی ہوں ۔ وہ نبی بلکہ رسول بلکہ ولد اللہ بلکہ خود اللہ اور جو الہامی طور پر اپنی موت سے جھوٹا ثابت ہو ۔ وہی صادق و مصدوق سمجھا جاوے "

یہ نہ صرف غلط بیانی ہے ۔ بلکہ شرمناک دھوکہ دہی ہے جسکے لئے مولوی صاحب فطرتاً مجبور ہیں ۔ اگر وہ سچے ہیں ۔ تو ہماری تحریروں سے اصطلاح دکھائیں ۔ جس کا انہوں نے مذکورہ بالا الفاظ میں حوالہ دیا ہے

اور دیکھئے ۔ اہلحدیث ۲۱ مئی کے صفحہ ۲ پر ان ایذاؤں اور تکلیفوں کا ذکر کرتے ہوئے جو ہمارے مخالفین آج کل ہماری جماعت کے لوگوں کو پہنچا رہے ہیں ۔ لکھا ہے :۔

"قادیانی اخبار الحکم ۷ ۔ مئی سے معلوم ہوا ہے کہ ملک مالابار کے علاقہ کینانور کے راجہ سلطان احمد علی صاحب نے قادیانیوں کو نوٹس دیا ہے کہ قاضی صاحب نے مع مجلس علماء کے تم لوگوں کو اسلام سے خارج کرنے کی رپورٹ کی ہے ۔ تم اگر اس حکم کے برخلاف کوئی عذر کرنا چاہتے ہو ۔ تو ہمارے حضور آکر پیش کرو "

حالانکہ یہ بالکل غلط ہے ۔ کہ اب اس قسم کا کوئی نوٹس احمدیان مالابار کو دیا گیا ۔ بات یہ ہے ۔ کہ ۱۹۱۵ء میں اس طرح کا نوٹس دیا گیا تھا ۔ جس کا خمیازہ نوٹس دینے والے نے ابھی دونوں کافی طور پر بھگت [لیا تھا] ۔ اور اسی الحکم نے مالابار میں احمدیت کے متعلق گذشتہ واقعات تذکرہ کرتے ہوئے [اس] مذکورہ نوٹس شائع کیا جسے مولوی ثناء اللہ نے اپنی خوش فہمی سے یہ لکھدیا ۔ کہ گویا اب وہ نوٹس دیا گیا ہے حالانکہ اگر اسکے سیاق و سباق کو نہ بھی دیکھا جاتا ۔ تو اسکے اوپر "یکم اکتوبر ۱۹۱۵ء" کی جو تاریخ ثبت تھی ۔ اسی سے معلوم ہو سکتا تھا کہ یہ پرانا نوٹس ہے ۔

کیا تقریر میں ایک لفظی غلطی رہ جانے پر اس قدر ہنگامہ آرائی کرنے والے کے لئے یہ شرم کا مقام نہیں ہے ۔ کہ ایک چھپا چھپایا اخبار اسکے سامنے پڑا ہے اس میں "احمدیت کی تاریخ مالابار میں" کے جلی عنوان کے ماتحت ایک نوٹس نقل ہے ۔ اور نوٹس پر یکم اکتوبر ۱۹۱۵ء کی تاریخ ثبت ہے ۔ مضمون کا سیاق و سباق نوٹس کے بوسیدہ پارینہ ہونے کو ظاہر کر رہا ہے لیکن مولوی ثناء اللہ کو باوجود عینک چڑھانے کے ان میں سے کوئی بات بھی نظر نہیں آتی ۔ اور وہ ایک پرانے نوٹس کو حال کا نوٹس قرار دیتے ہیں ۔ اگر یہ شرارت نہیں ۔ اور ایک گذشتہ واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے یہودیانہ سرشت سے کام نہیں لیا گیا ۔ بلکہ غلطی ہے ۔ اور غالباً یہی کہا جائیگا تو مولوی ثناء اللہ خود ہی فرمائیں ۔ کہ اردو کی ایک آسان عبارت کو نہ سمجھ سکنا اور ڈھٹائی سے اس کا غلط مطلب شائع کر دینا شرمناک بات ہے ۔ یا تقریر کی کتابت میں ایک لفظی غلطی کا واقعہ ہو جانا ۔

افسوس اب ہمارے مخالفین کی بدمذاقی اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ وہ اصل مسائل چھوڑ کر بالکل نکمی اور بے فائدہ باتوں پر اتر آئے ہیں ۔ چنانچہ ہمارے خلاف جو مضامین شائع ہوتے ہیں قریباً ان سب میں اسی قسم کی دور از کار باتوں کا ذکر ہوتا ہے ۔ جس کا اوپر نمونہ دکھایا گیا ہے ۔ اور ہمیں بھی مجبوراً ان کی غلط بیانیوں اور دھوکہ دہیوں کی تردید کرنی پڑتی ہے ۔ کیا ہمارے مخالفین میں کوئی بھی ایسا سمجھدار نہیں ہے جو اپنے مولویوں کی اس کمزوری کو محسوس کرے ۔ اور انہیں بے فائدہ باتوں میں الجھنے اور وقت ضائع کرنے کی بجائے اصل اختلافی مسائل کے متعلق لکھنے کے لئے مجبور کرے ۔ اگر کوئی شخص اس کے لئے کھڑا بھی

ہوا۔ تو ہمیں اسکے ناکام رہنے کا خیال ہی نہیں۔ بلکہ یقین ہے۔ کیونکہ ہمارے مخالف ایک مدت کے تجربہ سے معلوم کر چکے ہیں۔ کہ ہمارے دلائل اور براہین کے مقابلہ میں ان کا ٹھہرنا ناممکن ہے۔

امریکہ کے حبشی باشندوں سے دردناک سلوک

کسی مذہب کی طرف منسوب ہونیوالوں کے وہ افعال جو مذہب کی تعلیم کے مطابق نہ ہوں۔ اس امر کے ثبوت میں نہیں پیش کئے جا سکتے۔ کہ وہ اس مذہب کی تعلیم کا نتیجہ ہیں۔ لیکن عیسائی صاحبان کے پاس اسلام کے خلاف سب سے بڑا حربہ یہی ہے۔ اگر پادری صاحبان نام کے مسلمانوں کے افعال کا ذمہ وار اسلام کو قرار دیتے ہیں۔ تو سیاسی اصحاب حکمران مسلمانوں کے جھوٹے سچے مظالم پیش کر کے اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو نیویارک (امریکہ) کی اس قومی مجلس کی پُر درد اپیل کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ جو کالے رنگ کے لوگوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے قائم ہوئی ہے۔ اور بتانا چاہیئے۔ کہ ان کے اپنے قائم کردہ اصل کے ماتحت ان مظالم سے کیا نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔

اس اپیل میں بتایا گیا ہے۔ کہ گذشتہ تیس سال میں امریکہ کے گورے باشندوں نے ۳۲۲۴ آدمیوں کو صرف آگ سے ہلاک کر ڈالا۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں ۸۴ آدمی ہجوم کے غیظ و غضب کا شکار ہوئے۔ جنمیں سے ۷۸ حبشی تھے ان میں سے کچھ تو قتل کر دئے گئے۔ اور کچھ زندہ جلا دئے گئے۔ سنہ ۱۹۱۹ء میں جن کو موت کے گھاٹ اتارا گیا ان میں سے ۳۱ گولی سے اُڑائے گئے اور ۳۰ کو پھانسی دی گئی دو کو ضرب شدید سے ہلاک کیا گیا۔ ایک کے ٹکڑے کر دئے گئے۔ ایک کو دریا میں غرق کر دیا گیا۔ گیارہ کو زندہ جلایا گیا۔ تین کو موت کے بعد جلایا گیا۔ گیارہ کا کسی نامعلوم طریق سے کام تمام کیا گیا۔

مجلس مذکورہ نے ان ہلاک ہونیوالوں کے جرائم کی تفصیل یہ بیان کی ہے کہ (۱) کسی گورے آدمی سے جھگڑا۔ (۲) گورے آدمی پر حملہ (۳) سڑک سے اسوقت نہ ہٹنا جبکہ کوئی گورا موٹر کار گاڑی میں جا رہا ہو (۴) گورے آدمی کی توہین۔ (۵) گوری عورت سے بے تکلفی (۶) گوری عورت پر حملہ (۷) گوری عورت کو گھوڑے سے گرانے کی کوشش۔

(۱۸) چکاگو کے بلوہ وغیرہ وغیرہ سزا دینے کا طریق یہ لکھا ہے۔ کہ جب کسی حبشی سے اس قسم کا کوئی فعل سرزد ہوتا ہے۔ تو حکام ہجوم کے غیظ و غضب کے سامنے بالکل بے بس ہو جاتے ہیں۔ اور وہ جل رسیدہ حبشی کو اس کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ جب اسے آگ سے ہلاک کرنا مقصود ہوتا ہے۔ تو اخبارات میں وقت کے متعلق پیشتر سے اعلان کر دیا جاتا ہے۔ مرد۔ عورتیں اور بچے اس دردناک موت کا وحشیانہ منظر دیکھنے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں دہکتے ہوئے کوئلوں پر حبشی کی جگر دوز چیخوں کے سننے اور اُسے جلتا دیکھنے کا انہیں اسقدر شوق ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے پر گرے پڑتے ہیں۔

اس قسم کے دردناک اور روح فرسا واقعات کا امریکہ جیسے ملک میں ہونا جو تہذیب اور آزادی میں تمام دنیا سے بڑھا ہوا قرار دیا جاتا ہے۔ نہایت ہی حیرت انگیز ہے۔ گورنمنٹ امریکہ ترکوں کو قسطنطنیہ سے نکال دینے کے متعلق سب سے زیادہ زور لگا رہی ہے۔ اور اس کی وجہ ترکوں کے اپنی ماتحت رعایا پر مظالم بتاتی ہے۔ لیکن اس کے اپنے ملک کی یہ حالت ہو۔

ہندوؤں کو کیوں زوال آیا

مسٹر بدرالدین عبداللہ قور نے مرکزی خلافت کمیٹی کی سکرٹری شپ سے اس بناء پر استعفیٰ دیدیا۔ کہ خلافت کمیٹی کے کارکن ترک اتحاد عمل کی پالیسی پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔ جو مسلمانوں کے فوائد کے لئے نقصان رساں ہے اور اپنے استعفیٰ میں یہ خیال ظاہر کیا۔ کہ اگر مسلمان سرکاری ملازمتیں ترک کر دینگے۔ تو ہندو صاحبان ان جگہوں کو پُر کر دینگے۔

اس پر دلی کے لالہ شنکر داس صاحب نے ایک شکایت نامہ اخبارات میں چھپوایا ہے۔ جس میں مسٹر قور کے اس خیال کو "ہندوؤں پر حملہ" اور ہندو قوم کے لئے "براہ راست باعث توہین" بتا کر لکھا ہے۔ کہ ہندو ہرگز ایسا نہیں کرینگے کیونکہ ہندو مذہب وہ مذہب ہے۔ جس نے "رام چندر" اور "ہریش چندر" جیسی ایثار کرنے والی شخصیتوں کو پیدا کیا۔ جنہوں نے باپ کے حکم اور وعدے کے ایفاء میں سلطنتوں کو لات مار دی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ:۔

"دراصل مادیات سے یہ نفرت ہی جسکو ان کے مذہب نے ان کے دلنشین کر دیا ہے۔ ہندوؤں کے زوال اور بیرونی حملوں کا باعث ہوئی ہے" (رعیت - ۳۰ مئی سنہ ۱۹۲۰ء)

ہم لالہ صاحب یا کسی اور بھائی کی نیت پر حملہ نہیں کرتے۔ لیکن یہ دریافت کرنے سے بھی باز نہیں رہ سکتے۔ کہ ہندوؤں کو دوسروں کے لئے ایثار کرنے کے باعث ہی زوال ہوا اور اب وہ اس زوال سے نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں تو کس طرح سمجھ لیا جائے۔ کہ اس موقعہ پر وہ اسی قسم کا ایثار کرنے کے لئے تیار ہو جائینگے۔ حالات خود بخود اس کا فیصلہ کر دینگے۔

امیر صاحب کابل کا اعلان ہندوستان چھوڑنیوالوں کیلئے

ہندوستانی اخبارات میں امیر صاحب کا ایک اعلان شائع ہوا ہے جسمیں ہندوستان کو بخیال ہجرت چھوڑنے والوں کو رعایتیں دینے کا ذکر ہے۔ مثلاً یہ کہ عیالدار کو ۸ جریب اور غیر عیالدار کو ۶ جریب قابل کاشت زمین دی جائیگی۔ فصل پکنے تک ان کو آٹا ملتا رہیگا۔ پہلے بطور تقاوی بیج اور بیل اور روپیہ نقد ہل وغیرہ کی خریداری کے لئے دئے جائینگے۔ مال گذاری تین سال تک معاف ہوگی۔ تعلیم یافتہ اور پیشہ ور کو ملازمت دیجائیگی۔

قطع نظر اس کے کہ اس وقت ہندوستان سے جانے پر ہجرت کی اسلامی اصطلاح صادق آسکتی ہے یا نہیں۔

اس میں شک نہیں۔ کہ ترکی معاہدہ صلح کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے جس قدر طریق مسلمانوں کے مدنظر ہیں۔ ان سب میں یہ تحریک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ صرف کسی قسم کی قانونی خلاف ورزی نہیں ہے۔ بلکہ ایک نہایت مشکل امتحان ہے۔ ان اصحاب کا جن کے نزدیک مذہبی لحاظ سے سلطنت ترکی کو خلافت کا درجہ

حاصل ہے ۔ اس امتحان میں کامیاب ہونیوالوں کے متعلق کہا جاسکتا ہے ۔ کہ ان کا جوش صادق تھا ۔

دیکھئے ایک طرف اپنے جوش صداقت کے ثبوت اور دوسری طرف امیر صاحب کابل کی مراعات کے حصول میں کس قدر لوگ کامیاب ہوتے ہیں ۔

کوہ ہمالیہ پر چڑھنے کی کوشش اور اس سے سبق

حال میں لنڈن کی رائل جغرافیکل سوسائٹی کے سالانہ جلسہ میں بیان کیا گیا ۔ کہ کرنل ہاورڈ ، جارلس بروس ، میجر رالنگ اور چند دیگر اصحاب کوہ ایورسٹ پر چڑھنے کی کوشش کرینگے ۔

کیا اس جانبازی سے اس قوم کے لوگ سبق حاصل کرینگے ۔ جو روز بروز تنزل کے قعر میں گررہی ہیں ۔ اور دنیا کے لئے نہیں ۔ بلکہ دین کے لئے اسقدر ہمت اور جرأت دکھلائینگے جس قدر کوہ ہمالیہ کی اونچی چوٹی پر چڑھنے والوں نے دکھائی ہے ۔

کیا مولوی ثناء اللہ ہجرت کرینگے

عام مسلمان اس امر کو خاص طور پر محسوس کررہے ہیں ۔ کہ وہ لوگ جو عالم دین ہونے کا دعویٰ رکھتے اور موجودہ حالات میں لیڈر بنے ہوئے ہیں ۔ وہ دوسروں کو تو ہجرت کرنے کی تلقین کررہے ہیں ۔ فتوے شایع کررہے ہیں ۔ تائیدی مضمون لکھ رہے ہیں لیکن خود ہجرت کرنے کا نام نہیں لیتے ۔ چنانچہ مولوی عبد الباری صاحب وغیرہ سے بذریعہ اخبارات پوچھا جارہا ہے کہ وہ کیوں ہجرت نہیں کرتے ۔ یہی سوال دوسرے علماء سے بھی پوچھا جارہا ہے ۔ اور غالباً اسی کو مدنظر رکھ کر حال میں مولوی ثناء اللہ نے امرتسر کے ایک جلسہ میں جس کے وہ صدر تھے ۔ تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ۔

”جو شخص دین کی بہتری کے لئے ہجرت کرتا ہے خدا اس کو اچھا سمجھتا ہے ۔ میں بھی ہجرت کے لئے کوشش کررہا ہوں“ (اخبار عام ۵ ۔ جون سنہ)

یہ محض سامعین کو خوش کرنے کے لئے کہا گیا ۔ یا اس میں کچھ صداقت بھی ہے ۔ اس کا فیصلہ بہت جلد ہوجانا چاہیئے

غالباً اس کوشش کا نتیجہ مستور ہی رہیگا ۔

مولوی محمد احسن صاحب سے مولوی ثناء اللہ کی گفتگو

مولوی ثناء اللہ نے اپنے اخبار مورخہ ۵ ۔ جون میں مولوی محمد احسن صاحب سے اپنی ملاقات اور ان کی گفتگو کے متعلق ایک بیان شائع کیا ہے ۔ گو وہ حلفی بیان ہے تاہم ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا پر عمل کرتے ہوئے ذیل میں تحقیق کے لئے درج کیا جاتا ہے ۔

”گذشتہ فروری میں انجمن اشاعت اسلام امروہہ کے جلسہ میں گیا تو یہ سُنکر کہ مولوی محمد احسن صاحب بیماری کی وجہ سے معذور ہیں ۔ اور ملاقات کے متمنی ہیں ۔ میں ان سے ملنے گیا ۔ مولوی صاحب کی عمر بقول ان کے آجکل پچاسی برس کی ہوگی ۔ بڑھاپے کے علاوہ مرض فالج سے بھی مجبور ہیں ۔ پہلے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے انتقال پر افسوس کیا فرمایا ہمارے بہت پرانے دوست تھے ۔ باوجود اختلاف شدید کے آنے جانے والوں سے ہماری خیر خیریت پوچھا کرتے تھے ۔ اثناء گفتگو میں مرزا صاحب کے دعاوی کے متعلق ذکر آیا ۔ تو آپ نے آیۃ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ۔ بکرار سہ کرر پڑھ کر اس بات پر بڑا زور دیا کہ بغیر پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی کو یہ حق حاصل نہیں ۔ کہ اس کا ماننا داخل ایمان سمجھا جاوے ۔ مرزا صاحب کے تو تین چار الہاموں کو میں بھی شروع ہی سے نہیں مانتا ۔ بلکہ میں نے تو انکی بیعت بھی نہیں کی تھی ۔ ہاں ان کی خدمات اسلام کی وجہ سے ان کا معتقد تھا ۔ پھر میں نے پوچھا آپکے نزدیک ہم (منکرین مرزا) اور قادیانی پارٹی (قائلین نبوت مرزا) میں سے اچھا کون ہے ۔ فرمایا آپ لوگ اچھے ہیں ۔ وہ تو غالی ہیں ۔ پھر یہ آیۃ پڑھی ۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ الخ فرمایا ۔ ہم نے فتویٰ مدلل لکھ دیا ہے ۔ کہ غیر احمدیوں کے پیچھے اقتدا جائز ہے ۔ اس فتویٰ پر ہماری جماعت کے علماء کے دستخط ہورہے ہیں ۔ بعد دستخطوں کے شایع ہوگا ۔“

ان فقروں میں میری سماع میں ایک دو فقرے عجیب معلوم ہوئے (۱) میں نے مرزا صاحب سے بیعت نہیں کی (۲) تین چار الہام مرزا صاحب کے میں شروع ہی سے نہیں مانتا ۔ میرا یہ بیان حلفی ہے ۔ ”وکفیٰ باللہ شہیداً“ ۔

اخبار پیغام کو اس طرف ضرور توجہ کرنی چاہیئے ۔

احناف اور اہلحدیث عدالت میں

انگریزی اخبار پاینیر میں یہ خبر شائع ہوئی ہے ۔ کہ رائے بریلی میں مسلمانوں کی دو جماعتوں یعنی احناف اور اہل حدیث میں نماز میں آمین کہنے کے مسئلہ میں مدت سے اختلاف چلا آرہا ہے ۔ حال میں وہاں کے احناف نے جماعت اہل حدیث کے چند اشخاص کے خلاف مطابق دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری عدالت میں استغاثہ داخل کردیا ۔ مدعیان (احناف) کی طرف سے کہا گیا ۔ کہ نماز میں آمین پکار کر کہنے سے ہماری عبادت میں خلل واقع ہوتا ہے ۔ اس بنا پر عدالت ماتحت سے حکم ہوا ۔ کہ اہل حدیث فرقہ کے لوگوں سے مطابق دفعہ ۱۰۷ ضابطہ فوجداری ضمانت وغیرہ لی جائے ۔ اسکے خلاف اہلحدیث کی طرف سے درخواست دیگئی ۔ اور ان کے وکلاء نے کہا کہ ہر مسلمان کو اللہ کی مسجد میں اپنے عقائد مذہبی کے مطابق بلند آواز سے آمین کہنے کا حق حاصل ہے ۔ خواہ یہ کسی کو برا معلوم ہو یا بھلا جوڈیشل کمشنر نے درخواست رکھ لی ۔

جن لوگوں کے وسعت اخلاق اور مذہبی رواداری کی یہ حالت ہو ۔ ان پر جسقدر بھی افسوس کیا جائے ۔ تھوڑا ہے ۔ کیا یہ لوگ اسی برگزیدہ خدا کے نام لیوا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ۔ جس نے عیسائیوں کو اپنی مسجد میں اپنے طریق پر عبادت کرنے کی اجازت دی تھی ۔

ایک بشپ صاحب استعمال شراب کی حمایت میں

غالباً یہ بات تعجب سے سنی جائیگی کہ اب جبکہ شراب کی مضرتوں سے آگاہ ہوکر اہل یورپ اور امریکہ شراب کے استعمال کو روکنے کی تدابیر اختیار کررہے ہیں ۔ ہیرفورڈ کے بشپ صاحب ڈاکٹر ہنسلے ہنس شراب کے استعمال کو جاری رکھنے کی حمایت میں بہت زور لگارہے ہیں ۔ سمجھدار اصحاب

نقل مطابق اصل

خطبۂ جمعہ

اعتصام بحبل اللہ

اتحاد کے لئے خوف بھی ہونا چاہئیے

از سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ

فرمودہ ۱۲۱ مئی ۱۹۲۰ء

سورہ فاتحہ اور آیۃ شریفہ تتجافی جنوبھم عن المضاجع یدعون ربھم خوفاً و طمعاً (۳۲-۱۹) کی تلاوت کے بعد اصل مضمون بیان کرنے کے قبل رمضان کے متعلق جو باتیں بیان فرمائی تھیں - وہ "برکات رمضان" کے عنوان سے نمبر ۹۰ کے صفحہ اول پر شائع ہو چکی ہیں - اس حصہ کے بیان کے بعد حضور نے فرمایا۔

اتحاد پیدا کرنیکے لئے پہلا گر

اس کے بعد میں اس مضمون کی طرف توجہ کرتا ہوں - جو پہلے سے چلا آرہا ہے - اور وہ مضمون اتحاد و اتفاق ہے - میں نے پچھلے جمعہ بیان کیا تھا کہ اتحاد کے قیام کے لئے (یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ میں جب کبھی اتحاد و اتفاق کے لفظ بولوں - اس سے مراد وہی اعتصام بحبل اللہ ہے - لیکن چونکہ اس مطلب کے لئے ہماری زبان میں اتفاق و اتحاد کے لفظ مستعمل ہیں - اس لئے وہی بولے جائینگے) سب سے پہلی چیز یہ ہے - کہ اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ اختلاف کا دنیا میں رہنا ضروری ہے - جب تک یہ نہ تسلیم کیا جائے - اتفاق و اتحاد قائم نہیں ہو سکتا - سب سے بڑی روک اتحاد و اتفاق کے پیدا ہونے میں یہ ہے - کہ لوگ اختلاف کا وجود مٹانا چاہتے ہیں - لیکن اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اتفاق و اتحاد کو مٹانا چاہتے ہیں - پس پہلا گر جو اتفاق و اتحاد کے قیام کے لئے قرآن کریم تعلیم کرتا ہے - یہ ہے - کہ تسلیم کر لیا جائے - کہ اختلاف دنیا سے مٹ نہیں سکتا - بلکہ اس کا وجود ضروری ہے - اگر لوگ اس کو تسلیم کر لیں - تو نوے فیصدی اختلاف کی باتیں مٹ سکتی ہیں -

اتحاد و اتفاق کیلئے دوسرا گر خوف ہے

اس کے بعد میں ایک اور عظیم الشان گر بیان کرتا ہوں - جسکے نہ سمجھنے کی وجہ سے بھی اختلاف پڑتا ہے اور وہ خوف کا مٹ جانا ہے - جس طرح اختلاف کے مٹنے اور مٹانے سے اختلاف ہوتا ہے - اسی طرح خوف کے مٹنے سے بھی اختلاف ہوتا ہے - جب کبھی اور جن لوگوں نے خوف کو مٹا دیا - اسی وقت انہی میں اختلاف پیدا ہو گیا دنیا جن قوانین کے ماتحت چل رہی ہے - وہ بتلاتے ہیں کہ دنیا سے جب بھی خوف مفقود ہو گا - اتحاد و اتفاق بھی مفقود ہو جائیگا - جب تک خوف ہے - اتفاق ہے جہاں خوف نہیں - وہاں اتحاد نہیں - پس اتفاق کے لئے خوف ضروری ہے - اس آیۃ کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تتجافی جنوبھم عن المضاجع خوفاً و طمعاً - انہیں فرمایا کہ مومن کون ہے - اور اس کی علامت کیا ہے تتجافی جنوبھم عن المضاجع - ان کے پہلو بستروں سے اٹھے پڑتے ہیں - یدعون ربھم خوفاً و طمعاً - اپنے رب کو خوف اور طمع سے پکارتے ہیں - خوف و طمع دونوں باتیں چلتی ہیں - تو ایک شخص مومن ہوتا ہے - ایک کو مٹا دو تو مومن نہیں - لیکن جب یہ دونوں باتیں جمع ہوں - تب انسان مومن ہوتا ہے - اور مومن کے معنے ہوتے ہیں - امن دینے والا - مومن دنیا کو امن دیتا ہے اور خود بھی بات مان کر امن میں آتا ہے - اور پھر دوسروں کو امن پہنچاتا ہے -

پس اس سے معلوم ہوا - کہ ایمان کے لئے خوف ضروری ہے - اور اتفاق بغیر ایمان کے پیدا نہیں ہوتا - اور ایک شخص امن میں نہیں ہوتا - جب تک اس کو خوف بھی نہ ہو - جب یہ دونوں چیزیں جمع ہوتی ہیں - امن والا ہوتا ہے -

خطرات میں اتحاد قائم رہتا ہے

اب میں اس کی تشریح کرتا ہوں - یاد رکھو - کہ دنیا میں اتفاق قائم رکھنے والی چیز یہ ہے - کہ سامنے خطرناک دشمن ہو - آپس میں خواہ کتنی ہی دشمنی اور لڑائی ہو لیکن جونہی کہ مشترک دشمن سامنے آجائے - تو لوگ اپنے عناد کو بھول کر متفق ہو جاتے ہیں - غور کرو - ہندو مسلمانوں میں کتنی لڑائی تھی - لیکن ہمارے ملک کے لوگوں کو یہ خیال ہو گیا - کہ انگریز ہمارے دونوں کے خیر خواہ نہیں - یا یہ کہ انگریز ہمارے ملک کو نقصان پہنچا رہے ہیں - اور ہمارے ملک کا مال لئے جا رہے ہیں - اس خیال کی بنا پر دونوں قومیں جو مدتوں سے ایک دوسرے کا پکا دشمن سمجھے ہوئے تھیں ایک ہو گئیں - انھوں نے اپنی دشمنیوں کو چھوڑ دیا - اور وہ جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نظر آیا کرتے تھے اب ہر طرف سے آواز آنے لگ گئی - کہ ہندو مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں - اس اتفاق کی کیا وجہ ہے یہی کہ ان کو ایک خوف پیدا ہوا - اور وہ خوف ان کے اتفاق کا (خواہ وہ کیسا ہی ہو) موجب ہو گیا - اسی طرح مثلاً دو شخص جنگل میں ہوں - اور ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہوں - لیکن اس حال میں کہ دونوں لڑ رہے ہوں - اگر شیر آجائے - تو دونوں اپنی دشمنی کو چھوڑ کر شیر کے مقابلہ کے لئے یا اپنی حفاظت کے لئے تیار ہو جائینگے - تو خوف دخطر ہی امن پیدا کر دیتا ہے جب خوف آتا ہے - تو لوگ اپنی لڑائیاں بھول جاتے ہیں اور امن قائم ہو جاتا ہے *

عیسائیت اور اسلام کی مثال

ہمارے مفتی (محمد صادق) صاحب ایک لطیفہ ہر لیکچروں میں بیان کیا کرتے ہیں - جو عیسائیت کے متعلق ہے اور وہ یہ ہے - کہ عیسائیت کی تعلیم تو ایسی ہے جیسے لوگ سٹیشن پر ہوں - اور گاڑی پر سوار ہونا ہو - ایسی حالتوں اگر کسی کے کچھ چوٹ آجائے - تو وہ اس کی پروا نہیں کرتا کیونکہ گھبراہٹ ہوتی ہے - اسی لئے عیسائیت کہتی ہے - کہ ایک گال پر طمانچہ لگے - تو دوسری آگے کر دو - جب لوگ ریل پر ہوں اگر کسی کو چوٹ آتی ہے - تو وہ غصہ کی بجائے مسکرا دیتا ہے مگر اسلام ایسی گھبراہٹ کا مذہب نہیں - بلکہ اسلام کی مثال تو ایسی ہی ہے - کہ جب انسان اپنے منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے - اور اگر وہاں کوئی شخص اس کو مارے - تو اس کا بدلہ بھی لیتا ہے - اور اسوقت اس کی نظر اپنے حقوق پر بھی پڑتی ہے -

مسلمانوں نے خوف کھوکر سب کچھ کھو دیا

پس تو خوف ایک ایسی چیز ہے کہ اتفاق کا باعث ہو جاتی ہے قرآن کریم کہتا ہے - کہ جب تک

خوف نہیں کیونکہ مسلمانوں میں جو گروہ جیسا اسی وقت ہوئے جب ان سے خوف دور ہو گیا۔ جب انہوں نے نادانی سے سمجھ لیا کہ اب ہماری حکومت ہے خوف نہیں۔ اسی وقت آپس کے جنگ شروع ہو گئے جنہوں نے ان کو تباہ کرنا شروع کر دیا اور غیروں نے ان کو پامال کر ڈالا۔ اور جن کو وہ اپنے پیچھے دبائے ہوئے تھے۔ جب ان سے پہلے خوف ہو گئے اسی وقت وہ مشکست کی طرح نکل کر اوپر آ گئے۔ اور وہ نیچے غوطے کھانے لگے۔

مسلمانوں نے یہ خیال کیا کہ جب ہم نے ان کو فتح کر لیا ہے پھر ہمیں کیا خوف۔ انہوں نے گویا تمام دنیا کو فتح کر لیا تھا۔ اور تمام دنیا کو اپنے ماتحت خیال کرتے تھے۔ مگر جب انہوں نے یہ خیال کیا۔ کہ اب کیا خطرہ کی بات ہے اسی وقت ان کے خیالات پیدا ہو گئے تھے۔

لا خوف علیھم کے معنے

ممکن ہے کہ بعض کو خیال آئے کہ یہ بات لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون کے خلاف ہے مگر خوف کے معنے اور خوف کے دو ہوتے ہیں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کسی کو خوف نہ ہونا اور چیز ہے۔ اور اس کے لئے خوف کا مٹ جانا اور چیز ہے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے۔ کہ کہا جائے۔ کہ فلاں شخص بیمار نہیں۔ یہ ایک اور بات ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے۔ کہ یہ بیمار ہو گا ہی نہیں تو یہ اور بات ہے۔ پس اسی طرح یہ کہنا کہ اس کو اس وقت خوف نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے۔ اور یہ کہنا کہ اسے کبھی آئندہ بھی کوئی خوف نہیں یہ بالکل اور بات ہے۔

پس مومن کبھی نڈر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ اگر میں ذرا بھی غافل ہوا۔ تو میرے دشمن میری گھات میں ہیں۔ جب اس کو خوف ہو گا۔ تو اتفاق اتحاد بھی قائم رہیگا۔ مومن خوف سے پاک ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اس کو یہ خوف بھی رہتا ہے۔ کہ اگر میں غافل ہوا۔ تو شیطان مجھ پر قبضہ کر لیگا۔ مومن ایک لحاظ سے بے خوف ہے اور دوسرے لحاظ سے اس کو ہر وقت ڈر رہتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ یدعون ربھم خوفا و طمعا۔ پس جب لوگ خوف محسوس کرینگے۔ تو آپس میں متحد بھی رہینگے۔ اگر خوف کو محسوس کریں تو پھر لڑائیاں بھی نہ ہوں۔

علمی معارف

یہ ۔۔ دس برس پہلے جماعتوں میں جو اتفاق اور اتحاد تھا۔ اس میں آج کمی ہے انہوں نے خیال کر لیا کہ ہم بہت ہیں۔ اس لئے ہمارے لئے کیا خوف۔ مگر وہ یاد رکھیں کہ مسلمان ان سے بہت زیادہ تھے جب خوف ان کو نہ رہا۔ تو ان کا اتحاد مٹ گیا۔ صحابہ میں بھی لڑائیاں ہوتی تھیں۔ مگر ان کو خوف تھا۔ اس لئے باوجود سخت لڑائیوں کے ان میں اتحاد رہا۔ حضرت علی اور معاویہ کی جنگ ہوئی۔ مسلمانوں کو لڑتے دیکھ کر قیصر نے چاہا کہ ان کا خاتمہ کر دے۔ ایک پادری نے ایک مثال دیکر اس کو اس خیال سے باز رکھا۔ اس نے کہا کہ دو کتے لو اور ان کو بھوکے رکھو چنانچہ ایسا کیا گیا۔ اور پھر ان کے آگے گوشت ڈالا۔ اور وہ لڑنے لگے۔ لیکن پھر ایک شیر لایا گیا۔ تو وہ اپنی لڑائی بھول گئے۔ اس نے کہا کہ مسلمانوں کی مثال کتوں کی سی ہے۔ آپس میں لڑتے ہیں۔ لیکن جب غیر حملہ آور ہو گا تو مل جائینگے۔ یہ مثال گندی ہے۔ لیکن بات سچی ہے۔ کہ خوف کے وقت اختلاف مٹ جاتا ہے۔ اور یوں کہا جا سکتا ہے کہ خوف کے وقت کتے تک متحد ہو جاتے ہیں۔ قیصر نے پادری کی بات نہ مانی۔ امیر معاویہ کو معلوم ہوا۔ تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ قیصر کو معلوم ہو۔ کہ وہ ہماری لڑائی پر نہ جائے اگر اس نے علی پر حملہ کیا۔ تو علی کی طرف سے پہلا جرنیل اس کے مقابلہ میں معاویہ ہو گا۔ یہ لوگ مسلمان تھے۔ اور ان باتوں کو جانتے تھے۔ پس خواہ کوئی کتنا ہی ترقی پا کے وہ خوف سے مبرا نہیں ہو سکتا۔ کامل محفوظ ذات صرف خدا کی ہے۔ جس کیلئے کوئی اور کبھی خوف نہیں۔ لیکن انسان کے لئے خوف ہے۔ پس کبھی نہ سمجھو۔ کہ تم کامل امن میں ہو۔ تم میں اتحاد رہے گا۔ کیا معلوم ہے۔ کہ تم امن سمجھ کر لڑنے لگو۔ اور کل یہ خوف مٹ جائے باقی آئندہ انشاء اللہ بیان ہو گا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین *

باہمت مہاجرین

میں قربان جاؤں اپنے امام زمان کے جن کے مقدس ہاتھوں میں حبل اللہ تھا۔ انہیں اپنے خادمین کو ایسا پرو دیا۔ کہ ایک جان ہو کر گویا ایک لڑی تیار کر دی۔ جیسی بانی اسلام نے شروع میں بنائی تھی۔ خاک دھول میں بکھرے موتیوں کو اپنی قوت قدسی سے جلا دیکر ایک لڑی میں از سر نو منسلک کیا۔ اور ایثار۔ فداکاری کا وہی سبق سکھایا۔ جو آج سے چودہ سو سال پہلے اہل عرب کو پڑھایا گیا۔ اس کا پتہ عام مسلمانوں کی حالت سے مقابلہ کر کے بآسانی لگ سکتا ہے۔ ایک ہجرت کا ہی مسئلہ ہے کوئی کہتا ہے مہاجرین کی جائدادیں کہاں جائینگی کوئی کہتا ہے انکو سکونتی مکان اور دوکانیں کس کے قبضہ میں رہینگی۔ کوئی کہتا ہے طبقہ غرباء جو جائیگا۔ تو وہاں جا کر معاش کا ذریعہ کیا ہو گا۔ غرض ہر ایک کی رائے ایک دوسرے کے متضاد اور متباین۔ ہجرت کرے تو کون کرے۔ ہاں اسی مسئلہ ہجرت کو شمع نبوت کے پروانوں کے آتش شوق نے کیسا جھٹ پٹ صاف کر دیا۔ وطنوں۔ دلیروں گھروں۔ مکانوں۔ رشتہ داریوں برادریوں کی قید سے آزاد ہو کر زبان حال سے یہ شعر کہتے ہوئے دیار محبوب (قادیان) میں آ ڈیرے لگائے۔

ہزار دام سے نکلے ہیں ایک جنبش میں
جسے غرور ہو آئے کرے شکار ہمیں

نہ جائداد کی فکر۔ نہ مکانوں کی خرابی کا ڈر۔ نہ دوستوں۔ رشتہ داروں کی جدائی کا غم۔ نہ فکر معاش کا اندیشہ۔ غرض دنیا کا کوئی دھندا ان کو نہیں اگر آٹھ پہر کے بعد کھانا نصیب ہوا تو اسکو بھی غنیمت سمجھکر کھایا اور یہی کہا

ہم قادیاں کو چھوڑ کر ہرگز نہ جائینگے
کوچہ میں اپنے یار کے دھونی رمائینگے

جائدادیں بھی راہ خدا وقف کر دیں اور کہا

دو عالم از اثر شعلہ جانش سوخت * بجز محبت آن گہ در پناہ من ست

یہ ہیں باہمت مہاجرین۔ جنکو نبی اللہ کی کشش اور محبت نے کھینچا تھا۔ اور سرزمین حرم میں حبل اللہ کو مضبوطی سے پکڑنے والوں خدا کو دوست رکھنے والوں۔ اپنے دین سے سچا پیار کرنے والوں۔ دنیا کے دھندوں سے رہائی پانیوالوں۔ دین کو دنیا پر مقدم کرنیوالوں۔ در محبوب پر سر مٹنے کی زندہ جیتی جاگتی تصویریں آؤ دیکھو اور انکی عسر و یسر کی حالتوں پر غور کرو کہ وہ کسقدر نازاں اور خوش ہیں۔

نالہ از بہر رہائی نہ کند مرغ اسیر * خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود

میں بیان کس کس نام لوں اور کس کس کا ذکر کروں - .... ایک نہیں ہزاروں گھر بار لٹا کر ارض مقدس کے حجروں میں خدمت دینی سے اوقات بسر کر رہے ہیں کہ اس نور صداقت کو پھیلانے کے لئے دور دراز ملکوں میں گھر جو سجے ہیں۔

نہ من برائے گل عارض غزل سرایم و بس * کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار انند +

اہلیہ ملک کرم الٰہی ضلعدار - ٹوبہ ٹیک سنگھ۔

مدراس میں مریم عیسیٰ کی شکست اور فرار

پیغام کی غلط بیانی

میں پہلے سلسلہ احمدیہ کا مخالف تھا قادیانی و لاہوری دونوں گروہوں سے مخالفت تھی۔ لیکن ایک پیغامی عبدالعزیز نامی سے کسی قدر محبت تھی۔ مولوی حکیم خلیل احمد صاحب کے مدراس تشریف لانے پر ان کے لیکچروں اور وعظوں میں مخالف دل لیکر شریک ہوا۔ لیکن ان کے مدلل لیکچروں اور موثر وعظوں نے مجھ پر اچھا اثر کیا۔ اور میں مخالفت چھوڑ کر خدا کے فضل سے احمدی ہو گیا۔ (میرے اس) ہمارے پیغامی دوست کو خوش ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن ان کی خوشی شاید اسی میں تھی۔ کہ میں حضرت مرزا صاحب کو مسیح موعود زبان سے کہتا۔ اور مولوی محمد علی صاحب کو ان پر حکم مانتا۔ جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض کلام اور احکام کے دانستہ خلاف کیا ہے۔ چنانچہ اسی کوشش میں میرے پیغامی دوست کے صاحبزادے نے مجھے ایک مغالطہ دیکر اپنے ہاتھ سے ایک خط لکھا۔ اور میرا دستخط لیکر مولوی محمد علی صاحب کو لاہور بھیجدیا۔ جب مجھے حقیقت معلوم ہوئی۔ تو فوراً ایک خط مولوی محمد علی صاحب کو لکھا کہ ہمارے نام سے جو خط آپ کو لکھا گیا ہے۔ اس کو آپ غیر معتبر سمجھیں۔ ہم آپ کو غلطی پر سمجھتے ہیں۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کے خلاف چل رہے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ کی میں نے بیعت نہیں توڑی ہے۔ آپ اس خط کو پیغام میں شائع نہ کریں۔ دوسرا خط حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ کی خدمت مبارک میں لکھا کہ میں آپکا خادم و غلام ہوں۔ مجھ کو اپنی بیعت میں داخل سمجھیں۔ اور میرے لئے دعا فرما دیں۔ لیکن مولوی محمد علی صاحب نے اس غیر معتبر خط کو شائع کرا دیا۔ اور مریم عیسیٰ صاحب بھی مدراس پہونچے۔ تاکہ تبلیغ کا حق ادا کریں۔

مریم عیسیٰ سے گفتگو

مریم عیسیٰ صاحب کے مدراس آنے پر میرے پیغامی دوست نے مجھ کو بلایا۔ اور میرے ساتھ محمد ابوبکر صاحب بھی تھے۔ جو کہ پہلے پیغامی تھے۔ اور مریم عیسیٰ کے ذریعہ مولوی محمد علی صاحب کی بیعت کی تھی۔ لیکن بعد کو ان کو غلطی پر سمجھ کر حضرت خلیفہ ثانی کی بیعت میں داخل ہوئے ہیں۔ یہ صاحب بھی ہمارے ساتھ تھے۔ مریم عیسیٰ صاحب نے کہا کہ حضرت مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ یہ صاحبزادہ صاحب کی ایجاد ہے۔ لیکن ہم نے خدا کے فضل سے یہ ثابت کر دیا۔ کہ دعویٰ نبوت خود حضرت مرزا صاحب نے کیا ہے۔ دو روز تک مریم عیسیٰ صاحب نے اپنا زور ہم دونوں پر خرچ کیا۔ جب وہ ہم دونوں کی باتوں کا کوئی جواب نہ دے سکے تو حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ کی شان پاک میں بد زبانی شروع کر دی۔ اور جھوٹے الزامات لگائے۔ اس طرح ان غیر احمدیوں کو جو ہم دونوں کی بحث سننے کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ خوش کرنا چاہا۔ اور مولوی خلیل احمد صاحب کے ساتھ بھی مباحثہ کرنے کا حوصلہ ظاہر کیا۔ مولوی خلیل احمد صاحب نے جب یہ سنا۔ تو مباحثہ منظور کیا۔ اور تیسرے روز ایک صاحب کے صحن مکان میں مباحثہ ہوا اس روز علاوہ فریقین کی جماعت کے غیر احمدی مسلمان بہت زیادہ تعداد میں شریک ہوئے۔

حکیم خلیل احمد صاحب کی تقریر

ابتداءً مولوی حکیم خلیل احمد صاحب نے تقریر کی۔

تمہیداً آپ نے بتایا۔ کہ غیر احمدی مسلمانوں میں اور ہم میں مسئلہ نبوت پر اس طرح اختلاف نہیں۔ جیسا کہ لاہوریوں کے ساتھ۔ کیونکہ تمام مسلمان اس بات کے قائل ہیں کہ مسیح موعود آئیگا۔ اور وہ نبی ہوگا۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ماتحت۔ اسی طرح ہم بھی کہتے ہیں۔ کہ مسیح موعود نبی ہو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ماتحت نبی ہے۔ غیر احمدی مسلمان یہ کہتے ہیں کہ وہ یہ نہیں ہے۔ دوسرا ہے۔ ہم کہتے ہیں۔ وہ یہی ہے۔ غرضکہ ان میں اور ہم میں مسئلہ نبوت میں ایسا اختلاف نہیں۔ جیسا کہ پیغامیوں میں ہے۔ یہ تیسری قسم کی مخلوق کہتی ہے۔ کہ مرزا صاحب مسیح موعود تو ہیں۔ لیکن نبی نہیں۔ اور انہوں نے دعوٰے نبوت نہیں کیا ہے۔ عام مسلمان کہتے ہیں۔ مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت تو کیا ہے۔ لیکن صادق نبی نہیں ہیں۔ لیکن پیغامی کہتے ہیں۔ مرزا صاحب صادق ہیں۔ لیکن دعویٰ نبوت نہیں کیا ہے۔ غیر احمدی کہہ سکتے ہیں کہ ان کی تحریریں ہمارے واسطے سند نہیں لیکن پیغامی صاحبان یہ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ جو شخص مجھے دل سے قبول کرتا ہے۔ وہ دل سے میری اطاعت بھی کرتا ہے اور ہر ایک حال میں مجھے حکم ٹھہراتا ہے۔ اور ہر ایک تنازع کا فیصلہ مجھ سے چاہتا ہے۔ مگر جو شخص مجھے دل سے قبول نہیں کرتا اس میں تم نخوت اور خود پسندی اور خود اختیاری پاؤ گے پس جانو کہ وہ مجھ سے نہیں۔ اربعین نمبر ۳ صفحہ ۲۸

مولوی خلیل احمد صاحب نے کہا کہ اب ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریروں سے آپکا دعویٰ نبوت دکھاتے ہیں۔ اسی وقت معلوم ہو جائیگا۔ کہ کون آپ کو دل سے مانتا ہے۔ اور ہر ایک تنازع میں آپکے فیصلہ کے آگے اپنی گردن جھکاتا ہے۔ اور کون خود پسند ہے۔ پھر ذیل کے حوالوں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نبی ہونا ثابت کیا۔

(۱) صریح طور پر نبی کا خطاب۔ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۸

(۲) غلطی کا ازالہ۔

(۳) نبوت سے مراد۔ تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۸

(۴) ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول ہیں۔ بدر ۵ مارچ ۱۹۰۸ء

(۵) قادیان میں خدا کا رسول۔ دافع البلاء صفحہ ۶

(۶) رسول کا تخت گاہ " صفحہ ۱۰

(۷) تجلیات الٰہیہ صفحہ ۹

(۸) قسم کے ساتھ دعوی نبوۃ و رسالت۔ تجلیات الٰہیہ صفحہ ۲۴-۲۵-۲۶

(۹) قسم کے ساتھ دعویٰ نبوت۔ تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۸

(۱۰) کعبہ میں کھڑے ہو کر دعویٰ کرنیکا اقرار۔ غلطی کا ازالہ۔

(۱۱) وفات سے تین دن پہلے دعویٰ رسالت۔ اخبار عام

(۱۲) نبی کا نام پانے کے لئے مخصوص۔ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱

باوجودیکہ مسئلہ زیر بحث غیر احمدیوں کی طبیعت کے بالکل خلاف تھا۔ لیکن تقریر کی برجستگی روانی اور دلائل کی مضبوطی نے سامعین کو محو حیرت بنا کر شروع سے آخر تک سننے کے لئے مجبور کیا۔ چونکہ پیغامیوں کی اور خصوصاً مریم عیسیٰ کی منافقت کا پردہ فاش ہو رہا تھا۔ اس لئے دوران تقریر میں بار بار پیغامیوں کی طرف سے پیغام آتا تھا کہ اب بس۔ آخر میں تقریر کو ختم کرتے ہوئے مولوی خلیل احمد صاحب نے کہا کہ ان حوالوں کو سنکر اور دیکھ کر

کوئی ذی ہوش انسان چاہے وہ کسی مذہب کا ہو۔ یہ ہرگز نہیں کہہ سکتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت نہیں کیا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کا منکر اپنے خیال باطل کی بنا پر یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ آپ معاذ اللہ صادق نبی نہیں لیکن یہ نہیں کہہ سکتا ہے۔ کہ دعویٰ نبوت نہیں کیا ہے۔ اگر پیغامیوں کے نزدیک مرزا صاحب نعوذ باللہ کاذب مدعی ہیں۔ تو بہتر ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب کو علانیہ چھوڑ کر منکرین میں جا ملیں۔ لیکن مسیح موعود اور حکم و عدل مان کر یہ ان کا حق نہیں ہے۔ کہ آپ کے کلام پر مخالفانہ جرح کریں ؂

مرہم عیسیٰ کی تقریر

اس کے بعد مرہم عیسیٰ صاحب اُٹھے اور انہوں نے وہی کیا جس کی ان سے اُمید تھی۔ یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام پر مخالفانہ جرح شروع کر دی۔ اور کھلے کھلے آپ کے کلام پاک کی آپ کے نام کی آپ کے مقام کی توہین کی۔ اگر ثناء اللہ امرتسری بھی ہوتا۔ تو شاید یہی کچھ کہتا۔ جو کہ لاہوری ثناء اللہ نے کہا۔ مخالفین سے کچھ لوگ اس پر خوش تھے۔ کہ مرزا صاحب کی توہین ان کے نام کے متبع کی زبان سے ہو رہی ہے۔ اور کچھ لوگ ایسے تھے جو کہ مرہم عیسیٰ کی عقل اور سمجھ پر افسوس کر رہے تھے۔ اور کچھ عوام ایسے بھی تھے۔ جن کو یہ سمجھ نہیں تھی۔ کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ کس امر پر بحث ہے۔ وہ سمجھتے تھے۔ کہ عام مسلمان حنفی اور احمدی مولوی کا مباحثہ ہے۔ اس لئے مرہم عیسیٰ کی زبان سے جب حضرت مرزا صاحب کے متعلق کوئی تنقیص کی بات سنتے۔ تو ان کو بھی خوشی ہوتی تھی ؂

حکیم خلیل احمد صاحب کی جوابی تقریر

مرہم عیسیٰ کے بیٹھنے کے بعد مولوی خلیل احمد صاحب جواب الجواب کے لئے اُٹھے۔ تو مرہم عیسیٰ نے کہا کہ اب میں جاتا ہوں۔ مولوی خلیل احمد صاحب نے کہا کہ میں آپ کو جانے نہیں دوں گا۔ جب تک کہ میں سارا جواب الجواب نہ سنا دوں۔ مرہم عیسیٰ نے کہا کہ کل پر موقوف رکھیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اسوقت جو غلط باتیں آپنے لوگوں کو سنائی ہیں وہ سامعین کے دماغ سے اُتر جائینگی۔ مجبوراً مرہم عیسیٰ کو ٹھہرنا پڑا۔ مولوی خلیل احمد صاحب نے جواب الجواب میں مرہم عیسیٰ کی پوری طرح قلعی کھولنی شروع کی۔ یہ وقت حکیم مرہم عیسیٰ کے لئے سخت مصیبت کا تھا نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کا مصداق تھا۔ جس نے اسوقت جان بچانے کی یہی تجویز سوچی۔ کہ ایک حوالہ پر شور مچا کر خلاصی حاصل کر لو۔ اور جلسہ ہی کو درہم برہم کر دو۔ چنانچہ بدر اخبار کے حوالہ پر شور مچا دیا۔ کہ ہم یہ نہیں سنتے۔ یہ جھوٹ ہے۔ اس کا ایڈیٹر مفتی محمد صادق ہے۔ جو کہ آجکل ولایت میں ہے۔ اور میاں صاحب کا مرید ہے۔ اس نے میاں صاحب کیلئے یہ جھوٹ ۵ مارچ کے بدر میں لکھ دیا ہے۔ کہ ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ ہم رسول ہیں۔ ہم نہیں سنینگے وغیرہ اسپر مولوی خلیل احمد صاحب نے کہا کہ آپ بیٹھ جائیں۔ ہم یہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ یہ قول حضرت مرزا صاحب کا ہے اور آپ کی زندگی میں بدر میں شائع ہوا ہے۔ مرہم عیسیٰ صاحب نے شور مچایا۔ ہم نہیں سُننگے وغیرہ۔ تب مولوی خلیل احمد صاحب نے کہا۔ کہ اگر بدر کا حوالہ ناقابل اعتبار ہے۔ تو آپ کے مولوی محمد علی صاحب نے کتاب النبوۃ فی الاسلام میں خود بھی اپنی تائید میں بدر کے حوالے نقل کئے ہیں۔ کیا یہ بھی قابل اعتبار نہیں۔ مرہم عیسیٰ نے کہا کہ نہیں۔ اسپر مولوی خلیل احمد صاحب نے اس کتاب کو ان کتابوں کے ڈھیر میں ڈالدیا۔ جو کہ میز کے پاس مرہم عیسیٰ نے جمع کر رکھی تھیں۔ اسپر بعض نادان جو مرہم عیسیٰ کی گھبراہٹ کو دیکھ رہے تھے۔ اور کسی بہانہ سے جلسہ کو برہم کر کے چلے جانا چاہتے تھے۔ یہ کہکر جانے لگے۔ کہ کتاب کو نیچے ڈالدیا گیا۔ مرہم عیسیٰ نے بھی اپنی جان کی خلاصی کا ذریعہ سمجھا اور جانے لگے۔ اور ایک پیغامی صاحب بھی کہنے لگے۔ کہ اب جلسہ موقوف کر دیجئے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ جو لوگ جاتے ہیں وہ بیشک چلے جائیں۔ ہم مرہم عیسیٰ کو جانے نہیں دینگے۔ جب تک کہ وہ سارا جواب الجواب سن لیں خواہ صبح ہو جائے۔ پھر خود ہی جانیوالے بھی بیٹھ گئے اور مرہم عیسیٰ صاحب بھی جانے سے رُکے۔ آخر یہ بات ٹھہری کہ جواب الجواب میں ایک ایک حوالہ پر گفتگو تھوڑی تھوڑی دیر ہو۔ چنانچہ مولوی صاحب نے ان کی خاطر اس کو بھی منظور کیا۔ اور حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱ کو پوری تشریح کے ساتھ پیش کر کے جواب چاہا اور کہا کہ اس کے بعد اس کے خلاف کوئی حوالہ پیش کرو۔ لیکن مرہم عیسیٰ نے وہی کیا جو پہلے کیا تھا۔ یعنی پہلے کا حوالہ سنایا۔ اور اسبات پر اصرار کیا۔ کہ اسوقت جانے دیں کل پھر مباحثہ کرینگے اور باقی باتیں سُنیں گے۔ دوسرے روز کے مباحثہ کے وعدہ پر مولوی خلیل احمد صاحب نے مرہم عیسیٰ صاحب کو چھوڑا ؂

مرہم عیسیٰ کا فرار

لیکن افسوس کہ دوسرے روز تو مرہم عیسیٰ صاحب بالکل فرار کر گئے۔ مولوی صاحب نے وقت پر مجھ کو بھیجا۔ کہ جا کر کہو۔ کہ حسب وعدہ آ کر مباحثہ کریں اگر یہاں نہیں آتے ہیں۔ تو ہم خود ہی (ایک پیغامی) عزیز اللہ صاحب کے مکان پر آتے ہیں۔ چنانچہ میں گیا۔ لیکن کسی کا پتہ نہیں تھا۔ معلوم نہیں۔ سارے کے سارے کہاں غائب ہو گئے تھے۔ پھر ایک گھنٹہ کے بعد دوسرے شخص کو بھیجا۔ لیکن پھر بھی پتہ نہ ملا۔ مرہم عیسیٰ صاحب کا دوسرے روز مباحثہ کرنے کا وعدہ کر کے عین وقت پر غائب ہو جانا بلکہ مکان پر بھی نہ رہنا کیا یہ کھلا فرار نہیں۔ اور ناممکن ہے کہ پھر مرہم عیسیٰ صاحب مباحثہ پر آمادہ ہوں۔ کیونکہ مرحلہ انہوں نے افتراء کے طور پر بعض ایسی باتیں کہی ہیں۔ جن کا ثبوت وہ اسوقت نہیں دے سکے۔ جیسا کہ یہ کہا کہ ظہیر الدین اروپی حضرت میاں صاحب کا مُرید ہے۔ جب ثبوت طلب کیا گیا۔ تو کل کی مہلت طلب کی۔ جو کہ ان کو دیگئی۔ اسی طرح ان کو یقین ہے کہ ہمارے سارے افترا کی حقیقت دوسرے روز کھل جائیگی کیونکہ میرے پاس ثبوت نہیں۔ اس لئے مباحثہ میں آنا تو الگ رہا۔ گھر سے بھی عین وقت پر غائب ہو گئے۔

غرضکہ مرہم عیسیٰ صاحب نے ہم دونوں کو دھوکہ دے کر اپنے ساتھ ملانے کی پوری کوشش کی۔ لیکن خود ہی مناظرہ کا میدان چھوڑ کر فرار کر گئے۔ اور مولوی حکیم خلیل احمد صاحب نے ہم دونوں کو حضرت خلیفۃ ثانی ایدہ اللہ بنصرہ کے نام پر فتح کر لیا۔ فالحمد للہ۔

الراقم

خاکسار حکیم محمد جمال دین احمدی۔ مدراس

اور

خاکسار محمد ابو بکر احمدی - از مدراس

خلافت کانفرنس الٰہ آباد کے تاثرات

ایڈیٹر صاحب الفضل نے مجھ سے باصرار مطالبہ کیا ہے کہ میں خلافت کانفرنس کے جلسوں کی روئداد کو ان کے اخبار میں اطلاع عام کے لئے شائع کر دوں۔ لیکن چونکہ خلافت کانفرنس کے یہ جلسے کونفیڈینشل (پُر اسرار) تھے۔ اور ارکان کمیٹی نے مجھ سے بتکرار کہا تھا۔ کہ میں نوٹ نہ لوں اور جلسے ہیں۔ ان کو شائع نہ کروں اس لئے اخلاق مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتے۔ کہ میں ان کے جلسوں کی روئداد شائع کردوں۔ غالباً وہ جو مناسب سمجھینگے شائع کرینگے۔ جیسا کہ انہوں نے خود کہا تھا۔

ظاہر ہے کہ ہمارا سلسلہ ایک روحانی سلسلہ ہے۔ اور ہماری جماعت ایک عظیم الشان مصلح کی قایم کردہ ہے۔ اس کے ہر ایک ممبر کا یہ فرض ہے۔ کہ وہ جہانتک ہو سکے۔ عامۃ الناس کو متنبہ کرتا رہے۔ اور ان کو بتلائے کہ ان کے لئے صالح کیا ہے اور غیر صالح کیا۔ اس فرض منصبی کو مدنظر رکھتے ہوئے میں ذیل میں صرف اپنے ان ذاتی تاثرات کا اظہار کرونگا۔ جو مختلف تقریروں کے سننے سے بحیثیت مجموعی مجھ میں پیدا ہوئے۔

۱۔ خلافت کانفرنس کے ان جلسوں میں ہندوستان کے جوشیلے مسلمان و ہندو لیڈر موجود تھے۔ ان کا نقطہ اجتماع تو ایک تھا۔ اور وہ یہ کہ گورنمنٹ برطانیہ کے برخلاف آواز اٹھانا۔ لیکن ان کے اجتماع کے بواعث بالکل مختلف تھے۔ ہندو صاحبان اس بات کو محسوس کرتے تھے۔ کہ مسلمانوں کے شور کے محرکات بودہ اور کمزور ہیں اور اجتماعی نقطۂ نظر سے وہ ایسے گوناگوں اغراض پر مبنی ہیں جن سے ہرگز امید نہیں کی جا سکتی۔ کہ وہ خود بھی عظیم الشان اجتماعی مقصد کے انجام دینے کے لئے پوری پوری قربانی پیش کرسکینگے وہ محسوس کرتے تھے۔ کہ مسلمانوں کا یہ جوش وقتی ہے۔ دیرپا نہیں۔

۲۔ ہندو اس احساس کے زیر اثر مسلمانوں کے ساتھ شریک ہونے سے کچھ ہچکچاتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ اور جتلاتے تھے۔ کہ اگر وہ مسئلہ خلافت کی بنا پر اپنے اجتماعی مقاصد کے پورا کرنے کے لئے مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوئے۔ تو زیادہ خسارہ و نقصان ان کو برداشت کرنا پڑیگا۔ اور یہ نقصان اور بھی زیادہ ہوگا۔ اگر مسلمان میدان کے مرد نہ نکلے۔ اور وہ (ان کی رائے میں) نہ نکلینگے۔

۳۔ وہ یہ بھی محسوس کرتے تھے کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت و جوش ایک بیبہا فرصت ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ کیونکہ اگر وہ اس میں ایک حد تک کامیاب ہونگے۔ تو فائدہ میں بھی وہ زیادہ بڑھ کر رہینگے۔ اور چاہتے تھے کہ یہ موقع کسی طرح ہاتھ سے نہ جائے۔

۴۔ اس غرض کو پورا کرنے کے لئے ان میں سے بعض نے قصداً مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی ظاہر کی۔ اور ان کے احساسات کو اُکسایا۔ اور بعض نے عمداً ان کو دبا کر انہیں مایوس کیا۔ اور ان کی ہمت کو گرایا۔ اور بعض نے پھر انہیں ڈھارس بندھائی۔ غرض اسی طرح ان کو ابھارنے اور گرانے سے ان کے ذہن نشین کر دیا۔ کہ یہ جو حرکت ہے۔ مسلمانوں کی اپنی حرکت ہے۔ اور ہندو اگر اس میں شریک ہونگے۔ تو صرف ان کی خاطر۔ لیکن ساری ذمہ واری ان کی اپنی ہے۔ اسی کے بھروسے پر انہیں کام کرنا چاہیئے۔ اس کی پرواہ مطلقاً نہ کریں کہ ہندو ان کے ساتھ شریک ہونگے یا نہ ہونگے۔ ہندو اس انگریزی پالیسی کو خوب سمجھتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں Disinterestedness is the best policy. یعنی بے سروکاری ہی نہایت اعلیٰ پالیسی ہے یعنی اس کا اظہار کرنا ہی کامیابی کی راہ ہے۔

۵۔ ہندو صاحبان نے اس بات کو بھی مسلمانوں کے ذہن نشین کرنیکی کوشش کی۔ کہ ان کے پاس ایسے عذرات ایسے موانع ہیں۔ جو انہیں شریک ہونے سے روکتی ہیں۔ مثلاً افغانستان کے حملے کا خطرہ ان کی اپنی کمزوری اور عدم استقلال اور مسلمانوں کا گذشتہ طریق عمل وغیرہ لیکن باوجود اس کے وہ مدد کے لئے تیار ہیں۔ بشرطیکہ وہ انہیں ہر طرح کی تسلی دیں اور ان کا شریک ہونا ان کے ساتھ ایک قسم کا احسان ہوگا۔

۶۔ بعض مسلمان اصحاب بھی اپنی کمزوریوں کو محسوس کر رہے تھے اور اکثر تو کہ انخداع نفسی میں مبتلا تھے۔ اگرچہ اپنی کمزوریوں کا احساس نہیں کرتے تھے تاہم انہیں اس بات کا شعور ضرور تھا کہ ہندو صاحبان ان سے ہر پہلو میں سبقت رکھتے ہیں۔ اس کا طبعی نتیجہ یہ تھا۔ کہ ہندو صاحبان کے مطالبات کے سامنے دبکے چلے جاتے تھے۔

۷۔ مسلمانوں میں سے بعض مقرر عقلمند سنجیدہ متین دوراندیش باخبر تھے۔ ذکر کے لائق جناب حکیم اجمل خان صاحب ہیں۔ باقیوں کے متعلق میں اپنی رائے کونفیڈنشل ہی رکھتا ہوں۔ مسٹر شوکت علی صاحب نے اپنے نوٹ نہ دینے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ میں لیکچراروں کے متعلق اپنی ذاتی رائے کو بھی ساتھ ساتھ نوٹ کرتا گیا تھا۔ اور میں نہیں چاہتا تھا۔ کہ کسی کی دلآزاری ہو۔

۸۔ ہندو صاحبان جو لیکچرار تھے وہ متین دور عقلمند لیکچرار تھے ان میں سے ایک بھی تو ایسا نہ تھا جس نے معقولانہ دائرہ سے باہر قدم رکھا ہو۔ مجھے معلوم ہوتا تھا کہ انمیں سے ہر ایک نے ایک خاص مقصد ذہن میں رکھا ہے۔ جسکے اظہار کیلئے وہ اٹھا ہے۔ اور اس متانت اور ہوشیاری سے اس نے ادا کیا ہے کہ اپنے ہم مذہبوں کے خیال کا معاکس نہیں ہوا۔ بلکہ کسی نہ کسی پہلو میں مزید مؤید ہوا ہے۔ مگر مسلمان لیکچراروں نے جو کچھ کہا نہ پوچھئے۔

۹۔ میں نے جلسے میں سکھ صاحبان کو نہیں دیکھا۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ ان کو مشترکہ مسئلے کے ساتھ ہمدردی یا دلچسپی نہیں۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے قیمتی وقت کو ایسے کاموں میں لگانے کی بجائے اپنی اصلاح و ترقی کرنے میں صرف کرنا بہتر سمجھتے ہیں دریافت کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ شیعہ صاحبان بھی شریک نہیں ہوئے۔ اس لئے کہ جن امور کی پابندی خلافت کانفرنس کے مسلمان ممبر ان سے دھینگا دھینگی ان کے معتقدات کے برخلاف کروانا چاہتے ہیں۔ وہ ان کے پابند نہیں ہو سکتے۔ اس تنگدلی کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ ایک اپنے جزعظیم کو کھو بیٹھے۔ اور جو کچھ فائدہ کہ ان کے اشتراک سے ان کو ہو سکتا تھا۔ اس سے محروم رہے۔

۱۰۔ ہندو صاحبان کو یہ سخت شکایت تھی کہ مسلمانوں کو نہیں چاہیئے کہ جس نقطہ سے وہ اس خلافت کو دیکھتے ہیں۔ اسی نقطہ سے ہندو بھی دیکھیں۔ یہ ممکن ہے کہ وہ ایک حد تک اسمیں شریک ہونے کے لئے تیار ہیں لیکن اس سے زیادہ نہیں۔ لیکن مسلمان اصرار کرتے جاتے کہ تحکم سے کام لیں کیا اس تنگدلی سے وہ اپنے عملی دائرے کو وسیع کرنیکی امید رکھتے ہیں؟

۱۱۔ خلافت کانفرنس کے ایک نہایت معزز عقلمند حامی نے (جن کا نام نامی مولانا عبدالباری صاحب ہے) وسعت نظر و بلند حوصلگی کے اصل کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارے امام کو بھی مدعو کیا کہ وہ اپنی اساسات و آراء سے لوگوں کو مستفید کریں اور اس دعوت پر امام جماعت احمدیہ نے ہم تین آدمیوں کو اپنی ایک مضمون کے ساتھ اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا۔ مگر ہمیں بولنے کی اجازت دینا تو الگ رہا انہیں یہ بھی گوارا نہ تھا کہ ہم انکے جلسوں میں شریک ہوں۔ کاش وہ اپنے بزرگ حامی کے اخلاق فاضلہ سے ہی فائدہ اٹھاتے یا انکی عزت کا ہی پاس رکھتے۔ اور جہاں انہوں نے ہندوؤں سے سخت سے سخت الفاظ سے وہاں اپنے بھائیوں سے بھی نہایت نرم اخلاص سے بھرے ہوئے کلمات سن لیتے اور انکے احساسات کو بھی سمجھنے کی کوشش کرتے۔ ہم کسی کے دکھلانے کیلئے کبھی کام نہیں کرتے اور نہ کسی کی مخالفت ہم پر کچھ اثر کر سکتی ہے ہم حق و نصیحت کے فرائض مقدور کو ہر حالت میں ادا کرتے ہی رہا کرتے ہیں اور احباب کو یہ سنکر خوشی ہوگی۔ کہ بعض عقلمندوں نے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے اس مضمون "معاہدہ ترکیہ" کو بہت دلچسپی سے

پڑھا ہے۔ اور وقعت کی نظر سے دیکھا ہے۔ جناب مولانا مولوی عبدالماجد صاحب نے ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب کے سامنے ہی حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کی آرا کے ساتھ اتفاق ظاہر کیا اور کہا کہ "کام کرنیوالے تو آپ ہیں۔ ہمارے دوست تو شور مچانا جانتے ہیں"۔

۱۲۔ کہنے میں کہ صداقت چھپی نہیں رہتی حضرت خلیفۃ المسیح کی تعلیم نے ایک نہ ایک لیکچرار کسی لیکچرار کے منہ سے اپنے طبعی رو میں نکل ہی پڑتی تھی اور نکلنے کے بعد مخبر جوش و ہنگامہ میں خود بخود دب جاتی تھی۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً میرے دوست چوہدری ظفر اللہ خانصاحب مجھے اشارے سے یا ہاتھ کی جنبش سے تبلاتے۔ کہ یہ ٹھیکا کی کہی گئی۔ میں لیکچراروں کے نام لے کر جواب بھی دے دیتا اگر میں نے کاروائی کو کنفیڈنشل رکھنے کا وعدہ نہ کیا ہوتا۔

۱۳۔ میرے اپنے ذاتی تاثرات کی یہ حالت تھی۔ کہ جہاں مجھے مسلمان لیکچراروں کے بے مغز بے جوڑ مقصد کے مخالف لیکچر سن کر افسوس اور شرم آ رہی تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ لیکچر کیا ہیں۔ گویا اپنے اوپر ہنسی کرانا ہے۔ اور اپنی تباہی کے لئے تیاریاں ہیں۔ وہیں مجھے اس بات کا بھی کامل طور پر احساس ہو رہا تھا۔ کہ احمدی جماعت باوجود قلیل التعداد ہونے کے مسلمانوں کا ایک بیدار مغز اور روشن خیال حصہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے علیحدہ کر لیا ہے۔ کہ اس کے ذریعہ سے پھر اسلامی زندگی کو از سر نو قائم کر کے دنیا میں بڑھایا جائے مخالفان احمدیت سے ملنے اور ان کی گفتگو سننے کا مجھے خاص موقعہ ملا ہے۔ اور مقابلہ سے مجھے پتہ ملا ہے۔ کہ احمدی احباب کو غیروں پر کیا امتیاز حاصل ہے۔ ان کے پاس وہ نور بصیرت ہے۔ جس کے ذریعے سے ان کا ہر ایک فرد بوڑھے سے لیکر بچے تک تاریکی میں صراط مستقیم کو دیکھ رہا ہے۔ اور اس پر نہایت متانت و سنجیدگی سے قدم مار رہا ہے۔ ان کا ایک رہبر ایک نگہبان ہے۔ جو وقتاً فوقتاً ایسے حالات میں جبکہ قدم کے ادھر ادھر پڑنے کا خوف ہو انہیں متنبہ کرتا رہتا ہے۔ یہ امتیاز کوئی کم امتیاز نہیں میں سنا کرتا تھا۔ کہ فلاں صاحب بڑے لیکچرار ہیں۔ اور فلاں بڑے مقرر۔ لیکن وہ میری نظر سے بالکل گر گئے۔ اور میں کہہ سکتا ہوں کہ دبستان احمدی کا بچہ بھی جب بولنے کے لئے اٹھے گا۔ تو وہ ضرور جانتا ہو گا۔ کہ کیا بولنا ہے اور کیسے بولنا ہے؟

۱۴۔ میں نے اپنے اندر یہ بھی شعور نہایت ہی قوی پایا۔ کہ احمدی احباب کو بھی بہت کچھ کرنا ہے۔ ہندوستان سارے کا سارا ان کی تبلیغ و ارشاد کا محتاج ہے۔ انہیں اپنے فرض منصبی کا احساس جب کہ چاہیئے نہیں۔ اور جیسا کہ ہندوستان کے مختلف طبقوں میں ایک شور قیامت مچا ہوا ہے۔ ایسا ہی ان کے درمیان بھی فی الفور ایک شور تبلیغ برپا ہو جانا چاہیئے

۱۵۔ ایک اور بھی عجیب تاثر میں نے اپنے اندر پایا۔ اور اس کا ذکر میں نے اپنے مکرم استاد حضرت سید مولوی سرور شاہ صاحب سے خصوصیت سے کیا اور وہ یہ کہ قوم زندہ نہیں رہ سکتی جب تک کہ اس کے افراد سادہ زندگی اختیار نہ کریں۔ زندگی کو سیدھا سادہ گذارنے کے معنے یہ ہیں۔ کہ وہ قوت (قوت سے مراد مال۔ عقل و فکر۔ وقت۔ اخلاقی تاثیر وغیرہ ہیں۔) جو کہ بحیثیت بشر سے بچے۔ وہ افراد کی مشترکہ غرض کے حاصل کرنے میں صرف کی جا سکے طرز زندگی کو پر تکلف بنانے کے یہ معنی ہے۔ کہ ذاتی یا فردی خواہشات کو ضرورت سے زیادہ بہم پہنچانے میں قوت کو خرچ کر دیا جائے۔

۱۶۔ مجھے سب سے زیادہ پریشانی جو لیکچر گاہ میں ہوئی ہے۔ وہ اس بات سے ہوئی کہ مسلمانوں کے احساسات و افکار و اعمال کے مابین کچھ عجیب و غریب تضاد و کشمکش نظر آتی تھی۔ وہ غیر مسلم قوم کو تو اتحاد کے لئے دعوت دیتے ہیں۔ لیکن ابتدا ہی میں لیکچر ایسے شروع کر دیئے جاتے ہیں۔ جو یہ صاف ثابت کرتے ہیں۔ کہ اسلامی تعلیم نہایت ہی تنگ دائرہ ہے۔ اور اس سے کسی قسم کے اتحاد اجتماعی کی امید نہیں ہو سکتی۔ ان لیکچروں کا نتیجہ جو ہوا وہ کونفیڈنشل ہے۔ مجھے اس کے اعلان کرنے کی اجازت نہیں۔

لیکچر اس بات پر ہوتے ہیں۔ کہ اولوالامر منکم کی ہتک ارض مقدسہ میں ہو رہی ہے۔ اور اپنی ناقابلیت کا ثبوت دنیا کے سامنے محترم مہاتما گاندھی کی ریاست روحانیہ و جسمانیہ کے زیر سایہ سب کے سب کیا علماء دین و کیا علماء دنیا مجتمع ہو کر یوں دیتے ہیں۔ ہم اولوالامر منکم کے مخاطب نہیں بلکہ غیر ہیں۔

لیکچر اس بات پر ہوتے ہیں۔ کہ مسئلہ خلافت بالکل دینی مسئلہ۔ سیاسی نہیں کوئی اسمیں دخل انداز نہیں ہو سکتا ہم اس میں مداہنت و منافقت نہیں کر سکتے۔ اور کسی کی کوئی نصیحت نہیں سنیں گے۔ ہم نے آخری فیصلہ کر لیا ہے۔ اور دعوت دیجاتی ہے۔ کہ دوسرے بھی شریک ہوں۔ انہیں مشورہ دیں۔ مختصر یہ

(باہتمام حکیم عبدالرحمٰن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپکر مالکان کے لئے شائع ہوا)